eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nmt.org.pk
www.nooremarfat.com
Declaration No: 7334

سہ ماہی تحقیقی مجلّہ

نورِ معرفت

جلد:14 شمارہ:2 مسلسل شمارہ:60 اپریل تا جون 2023ء

★ عقیقہ کا تربیتی پہلو-ایک تحقیقی جائزہ
★ اسلامی معاشرے کے تہذیبی ارتقاء کا تربیتی نظام
★ غربت کا خاتمہ "الٰہی اقتصادیات" کے نظریہ کی روشنی میں
★ سیرت نگاری: آغاز سے ابان بن عثمان (متوفی:170ق) تک
★ گلگت میں بدھ مت کے اثرات کے تناظر میں مکالمہ کی مذہبی بنیادیں
★ Islam's Role in Reducing Domestic Violence against Women

ناشر: نور تحقیق و ترقی پرائیویٹ لمیٹڈ

Indexed in

www.australianislamiclibrary.org/noor-e--marfat.html

https://iri.aiou.edu.pk/indexing/?page_id=37857

https://www.archive.org/details/@noor-e-marfat

https://www.tehqeeqat.org/urdu/journalDetails/132

https://www.ebsco.com/

https://orcid.org/0000-0001-593-4436

Applied for Indexation

https://www.brill.com

https://www.noormag.ir

https://www.almanhal.com

https://www.scienceopen.com

https://www.aiou.academia.edu/NooreMarfat

https://www.scholar.google.com/

Websites

http://nooremarfat.com

https://www.nmt.org.pk/

کمپوزنگ وڈیزائننگ: بابر عباس

eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nmt.org.pk
www.nooremarfat.com
Declaration No: 7334

سہ ماہی تحقیقی مجلہ

نورِ معرفت

جلد: 14 شمارہ: 2 مسلسل شمارہ: 60

اپریل تا جون 2023ء بمطابق رمضان المبارک تا ذیقعدہ 1444ھ

Applied for Recognition by:
Higher Education Commission, Pakistan

مدیر: ڈاکٹر محمد حسنین نادر

ORCID iD: https://orcid.org/0000-0002-1002-153X

E-mail: editor.nm@nmt.org.pk + noor.marfat@gmail.com

ناشر: نور تحقیق و ترقی پرائیویٹ لمیٹڈ

مدیر اعلیٰ و ناشر: **سید حسنین عباس گردیزی** چیئرمین نور الہدیٰ ٹرسٹ، اسلام آباد۔

مجلس نظامت

مدیر	ڈاکٹر محمد حسنین نادرؔ	پی۔ایچ۔ڈی۔ فلسفہ و کلام اسلامی، نور الہدیٰ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)، اسلام آباد۔
معاون مدیر	ڈاکٹر ندیم عباس بلوچ	پی۔ایچ۔ڈی، اسلامک اسٹڈیز، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد۔
معاون تحقیقی امور	ڈاکٹر محمد نذیر اطلسی	پی۔ایچ۔ڈی۔ علوم قرآن، جامعۃ الرضا (رجسٹرڈ)، اسلام آباد۔
مشاور مدیر	ڈاکٹر ساجد علی سبحانی	پی۔ایچ۔ڈی۔ ادبیات عرب،، جامعۃ الرضا (رجسٹرڈ) اسلام آباد۔
نگران فنی امور	ڈاکٹر ذیشان علی	پی۔ایچ۔ڈی، کمپیوٹر سائنسز۔
معاون فنی امور	فہد عبید	ایم۔ایس (سی۔ایس)

مجلس ادارت

ڈاکٹر حافظ محمد سجاد	شعبۂ علوم اسلامی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔
ڈاکٹر عائشہ رفیق	شعبۂ علوم اسلامی، گفٹ یونیورسٹی، گوجرانوالہ۔
ڈاکٹر عبدالباسط مجاہد	شعبۂ تاریخ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔
ڈاکٹر روشن علی	شعبۂ علوم اسلامی، اسلام آباد ماڈل کالج فار بوائز، اسلام آباد۔
ڈاکٹر کرم حسین ودھو	شعبۂ ثقافتِ اسلامی، ریجنل ڈائریکٹوریٹ آف کالجز، لاڑکانہ۔
ڈاکٹر علی رضا طاہر	شعبۂ فلسفہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور۔
ڈاکٹر ذوالفقار علی	شعبۂ تاریخ، نور الہدیٰ مرکز تحقیقات، اسلام آباد۔
ڈاکٹر سید نثار حسین ہمدانی	شعبۂ اقتصادیات (الٰہی اقتصادیات)، چیئرمین ہادی انسٹیٹیوٹ مظفر آباد، آزاد جموں و کشمیر۔

قومی مجلس مشاورت

ڈاکٹر ہمایوں عباس	شعبۂ علوم اسلامی، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد۔
ڈاکٹر حافظ طاہر اسلام	شعبۂ علوم اسلامی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔
ڈاکٹر عافیہ مہدی	شعبۂ علوم اسلامی، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد۔
ڈاکٹر سید قندیل عباس	شعبۂ بین الاقوامی تعلقات، قائداعظم یونیورسٹی، اسلام آباد۔
ڈاکٹر زاہد علی زہدی	شعبۂ علوم اسلامی، یونیورسٹی آف کراچی۔
ڈاکٹر محمد ریاض	شعبۂ علوم اسلامی، بلتستان یونیورسٹی، اسکردو۔
ڈاکٹر محمد شاکر	شعبۂ نفسیات اور انسانی ترقی، یونیورسٹی آف بہاولپور۔
ڈاکٹر محمد ندیم	شعبۂ ایجوکیشن، گورنمنٹ صادق ایجرٹن کالج، بہاولپور۔
ڈاکٹر رازق حسین	نور الہدیٰ مرکز تحقیقات، اسلام آباد۔

بین الاقومی مجلس مشاورت

ڈاکٹر وارث متین مظاہری	شعبۂ علوم اسلامی، جامعہ ہمدرد، نیو دلی، انڈیا۔
ڈاکٹر سید زوار حسین شاہ	شعبۂ علوم قرآنی و حدیث، انجمن حسینی، اوسلو، ناروے۔
ڈاکٹر سید عمار یاسر ہمدانی	شعبۂ قرآن و قانون، المصطفیٰ انٹرنیشنل یونیورسٹی ایران۔
ڈاکٹر غلام رضا جوادی	شعبۂ تاریخ، خاتم النبینؐ یونیورسٹی، کابل، افغانستان۔
ڈاکٹر جابر محمدی	شعبۂ قرآن اور تربیتی علوم، جامعۃ المصطفیٰ العالمیہ، قم، ایران۔
ڈاکٹر غلام حسین میر	شعبۂ علوم تقابلی حدیث، جامعۃ المصطفیٰ العالمیہ، قم، ایران۔
ڈاکٹر شہلا بختیاری	شعبۂ تاریخ اسلام، جامعۃ الزہراء، تہران، ایران۔
ڈاکٹر فیضان جعفر علی	اردو و فارسی تنظیم، پورہ معروف، ایم۔اے۔یو، یو۔پی انڈیا۔

مقالات ارسال فرمائیں

سہ ماہی تحقیقی مجلّہ "نور معرفت" دینی و سماجی علوم و موضوعات پر مقالات شائع کرتا ہے۔ یہ مجلّہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر معاشرتی رواداری اور ادیان ومذاہب کے درمیان تعمیری مکالمے کی فضا کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں عدل وانصاف پر مبنی عالمی اسلامی معاشرے کے قیام کے لئے فکری بنیادیں فراہم کرتا ہے۔ اس مجلے کا ایک اہم ہدف، یونیورسٹیز اور دینی تعلیمی مراکز ومدارس کے اساتذہ اور طلاب کے درمیان تحقیقی ذوق بیدار کرنا اور ان کے تحقیقی آثار شائع کرنا ہے۔ ایسے مقالات کی اشاعت کو ترجیح دی جاتی ہے جو تحقیقی ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی سالمیّت، ملّی یکجہتی اور مذہبی، سماجی رواداری اور محبت کو فروغ دیں اور عصر حاضر کے انسانوں کی عملی مشکلات کا راہ حل پیش کرتے ہوں۔

تفسیر و علوم قرآن، حدیث ورجال، فقہ واصول، فلسفہ وکلام، سیرت وتاریخ، تقابل ادیان، تعلیم وتربیت، ادبیات، عمرانیات، سیاسیات، اقبالیات، تہذیب وتمدن، اسلامی قوانین اور بطور کلی، کسی بھی موضوع پر اسلامی نکتۂ نگاہ سے لکھے گئے مقالات کی مجلّہ ہذا میں اشاعت بلا مانع ہے۔ یہ مجلّہ علماء اور دانشور طبقہ کو دعوت دیتا ہے کہ وہ مجلّہ کے Scope کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اپنے قیمتی مقالات اشاعت کے لئے ارسال فرمائیں۔ مقالات کی تدوین میں درج ذیل ویب لنک پر دی گئی ہدایات کی مکمل پابندی کی جائے:

https://nmt.org.pk/author-guidelines/

تمام مقالہ نگاروں سے گذارش ہے کہ اپنے مقالات درج ذیل ویب لنک پر Submit کروائیں:

https://nooremarfat.com/index.php/Noor-e-marfat/about/submissions

ضروری نوٹ:

مجلّہ نور معرفت میں شائع ہونے والے مقالات کے مندرجات کی ذمہ داری خود مقالہ نگاروں پر ہے۔
مجلّہ کا مقالات کے تمام مندرجات سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

فہرست

نمبر شمار	موضوع	مقالہ نگار	صفحہ
۱	اداریہ	مدیر	6
۲	اسلامی معاشرے کے تہذیبی ارتقاء کا تربیتی نظام	محمد فرقان گوہر	10
۳	سیرت نگاری: آغاز سے ابان بن عثمان (متوفی: 170ق) تک	رسول جعفریان	23
۴	عقیقہ کا تربیتی پہلو-ایک تحقیقی جائزہ	ڈاکٹر محمد لطیف مطہری	54
۵	گلگت میں بدھ مت کے اثرات کے تناظر میں مکالمہ کی مذہبی بنیادیں	انصارالدین مدنی	76
۶	غربت کا خاتمہ "الٰہی اقتصادیات" کے نظریہ کی روشنی میں	سید ثاقب ہمدانی	103
7	Islam’s Role in Reducing Domestic Violence against Women	Liaquat Ali	123
8	Editorial	Editor	143

اداریہ

سہ ماہی تحقیقی مجلّہ نور معرفت کا ۶۰ واں شمارہ پیش خدمت ہے۔ اس شمارے کا پہلا مقالہ "اسلامی معاشرے کے تہذیبی ارتقاء کا تربیتی نظام" کے عنوان سے مزین ہے۔ یہ مقالہ دراصل، پچھلے شمارے کے پہلے مقالے کے مطالب کا تسلسل ہے جس میں یہ ثابت کیا گیا تھا کہ ایک برتر مسلم سماج کا نظامِ حیات، صرف اللہ تعالیٰ کی "محبت" اور "خدا کے لئے نفرت" کی بنیاد پر تشکیل پاتا ہے۔ پیشِ نظر مقالہ میں بھی مصنف نے اسلام کی رو سے ایک مثالی سماج کی تشکیل اور معاشرتی ارتقاء کے تربیتی نظام کو کشف کرنے کی کوشش کی ہے۔ اُن کے مطابق، اللہ تعالیٰ کی محبت کے مرکز پر استوار اسلام کا تربیتی نظام افراد کے درمیان ایسی صفات پیدا کرتا ہے جس کی تجلی سماج میں نظر آتی ہے۔ یہ تربیتی نظام جن بنیادی اقدار Basic Values کو پروان چڑھاتا ہے، اُن میں "اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" سب سے پہلی قدر ہے۔

دوسری بنیادی قدر، "نیکوکاری" یا "احسان" ہے۔ احسان ایک اعلی پائے کی قدر ہے جس کے حامل افراد، حتمی طور پر ایک برتر سماج تشکیل دیتے ہیں۔ اسلام کے سماجی ارتقائی نظام کی تیسری بنیادی قدر، انصاف پسندی ہے جو ہر اجتماعی نظام میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ انصاف پسند افراد، ہمیشہ ایک ترقی یافتہ سماج تشکیل دیتے ہیں۔ امید ہے کہ اِس مقالے کا دقیق مطالعہ اور اس کے مندرجات پر کاربند ہونے سے ہمارے سینکڑوں سماجی مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے اور ہمارا سماج، ایک حقیقی مسلم سماج کی تصویر بن جائے گا۔

"سیرت نگاری: آغاز سے ابان بن عثمان (متوفی: 170ق) تک" کے عنوان کے تحت، اس شمارے کا دوسرا مقالہ معروف محقق و مؤرخ، استاد رسول جعفریان کی کتاب "تاریخ سیاسی اسلام- سیرتِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کے اُس حصے کا ترجمہ ہے جس میں مؤلفِ کتاب نے مسلمانوں کی تاریخ نگاری کی ایک مخصوص نوع یعنی "سیرت نگاری" پر انتہائی جامع تحقیق پیش کی ہے۔ مذکورہ بالا کتاب کے اِس حصے میں موسی بن عُقبہ، محمد بن اسحاق اور ابان بن عثمان بجلی کی سیرت نگاری کا تفصیلی تعارف پیش کیا گیا ہے۔ یہ مقالہ اِن سیرہ نگاروں کے آچار و تالیفات کے تعارف کے ضمن میں مسلمانوں کے ہاں، سیرت نگاری کی اہمیت کو اجاگر کرتا اور دینی پیشواوں، بالخصوص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کی اتباع کی بہترین ترغیب دلاتا ہے۔

اس شمارے کے تیسرے مقالے کا تعلق، بچوں کی تربیت کے اسلامی نظام و احکام سے ہے۔ دراصل، اسلامی نکتہ نگاہ سے بچے کی پرورش اس کی پیدائش کے لمحے سے ہی شروع ہو جاتی ہے۔

اس لیے اسلام میں والدین پر فرض ہے کہ وہ بچوں کی پیدائش سے ہی ان کی تربیت کی راہیں ہموار کریں۔ لہٰذا "عقیقہ کا تربیتی پہلو-ایک تحقیقی جائزہ" کے عنوان کے تحت، مقالہ نگار مدعی ہیں کہ اسلام میں بچے کی پیدائش پر عقیقے کا فقہی حکم بھی دراصل، تربیتی پہلو رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عقیقہ مشہور شیعہ اور اہل السنۃ فقہاء کے نزدیک "مستحب" اور سید مرتضیٰ اور ابن جنید الاسکافی کے نزدیک "واجب" ہے۔ اس مقالہ میں مقالہ نگار نے عقیقہ کے 13 تربیتی اثرات بیان کیے ہیں۔ امید ہے ان اثرات سے آگاہی، سب والدین کو اپنے بچوں کا عقیقہ انجام دینے کی بہترین ترغیب دلائے گی۔

اس شمارے کے چوتھے مقالے کا موضوع "گلگت میں بدھ مت کے اثرات کے تناظر میں مکالمہ کی مذہبی بنیادیں" ہے۔ دراصل، یہ مقالہ، ادیان و مذاہب اور تہذیبوں کے درمیان مکالمے کی افادیت اور فروغ پر عقیدے کی روشنی میں تدوین پایا ہے۔ مقالہ نگار کے مطابق، اگرچہ گلگت بلتستان میں بدھ مت کا کوئی پیروکار نہیں ہے لیکن اِس علاقے میں بدھ مت کے آثار پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے بدھ مت کی تاریخی اور مذہبی حیثیت پر روشنی ڈالتے ہوئے، بین الادیان مذہبی مکالمہ شروع کیا ہے۔ ہم اس مقالہ کو اِس امید پر شائع کر رہے ہیں کہ شاید ایسی مباحث، بنی نوعِ بشر کے درمیان، "جنگ" کی جگہ "مکالمہ" کی تہذیب کو فروغ دینے میں مددگار ثابت ہو سکیں۔

"غربت کا خاتمہ، 'الٰہی اقتصادیات' کے نظریہ کی روشنی میں" کے عنوان کے تحت موجودہ شمارے کا پانچواں مقالہ مدعی ہے کہ عصر حاضر میں تمامتر انسانی ترقی کے باوجود، انسانی سماج سے غربت اور افلاس کا خاتمہ نہیں کیا جا سکا۔ بدقسمتی سے ماہرینِ معاشیات، یہ مسئلہ حل نہیں کر سکے۔ مقالہ نگار کے مطابق، علم اقتصاد میں "الٰہی اقتصادیات" یا (Divine Economics) کے نظریے کا فروغ غربت کے خاتمے کی ایک نوید بن سکتا ہے۔ دراصل، اس نظریہ کی روشنی میں انسان، دو چیزوں یعنی جسم اور روح کا مرکب ہے اور انسان کی غربت و غنا کا تعلق، اِن دونوں سے ہے۔ لہٰذا غربت کے خاتمے کا کوئی نظریہ اس وقت تک جامع نہیں ہو سکتا جب تک کہ انسان کے جسم و روح، دونوں کو مد نظر نہ رکھا جائے۔ خوش قسمتی سے الٰہی اقتصادیات میں ان دونوں کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ الہیات نے انسان کو اپنے امور میں میانہ روی، اعتدال، کسب و کار اور سیاسی، سماجی ذمہ داریاں ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح غریبوں کے حقوق کی پاسداری، ان کی معنوی اور مادی ضروریات کی کفالت پر بھی زور دیا ہے۔ نیز دولت کی پیداوار اور حصول سے لے کر معاشرے میں موزوں تقسیم اور خرچ تک کی تمام ہدایات فراہم کی ہیں اور زکوۃ، صدقات، خیرات اور انفاق کا ایک مکمل نظام وضع کیا ہے۔ مقالہ نگار مدعی ہیں کہ الٰہی اقتصادیات کے نظریہ کی عملی تصویر، انسانی سماج کے دامن سے غربت و افلاس کا دھبہ پاک کر سکتی ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جب تک ایک خاندان کے افراد کے درمیان عزت واحترام اور حیا و وفا کے بندھن قائم نہ ہوں، تب تک وہ خاندان، آرام و سکون کی زندگی سے محروم رہتا ہے جس کے نتیجے میں اس کا تعلیمی، سیاسی، سماجی اور معنوی سفر بھی رک جاتا ہے۔ گھر میں عورت، بالخصوص بیوی کو ایک کنیز یا خادمہ کی نگاہ سے دیکھنا اور اسے بدنی اور ذہنی طور پر ایذاء رسانی، ایک انتہائی گھٹیا حرکت اور رذیلت ہے۔ یقیناً، اسلام نے اس برائی کا سدّباب کیا ہے۔

اس شمارے کا آخری مقالہ جو کہ Islam’s Role in Reducing Domestic Violence against Women کے عنوان کے تحت پیش کیا گیا ہے، اِس میں محترم مقالہ نگار نے انسانی سماج اور خاندان کے اسی المیہ اور مسئلہ پر بحث کی ہے۔ انہوں نے یہ واضح کیا ہے کہ کس طرح اسلام، عورت کے خلاف، گھریلو تشدد کا سدّباب کرتا ہے۔ یقیناً مسلمان ہونے کے ناطے اس مقالے کے مندرجات کا مطالعہ اور اسلام کے بیان کردہ گھریلو زندگی کے سنہری اصولوں کی پیروی ہی ہر گھرانے کو خوشحال گھرانہ بنا سکتی ہے۔

ہم توقع رکھتے ہیں کہ 6 علمی، تحقیقی مقالات پر مشتمل مجلّہ نور معرفت کا 60 واں شمارہ ہمارے قارئین کو علم و عمل کی نئی جہتیں دکھائے گا۔ اللہ تعالیٰ تمام مقالہ نگاروں اور مجلّہ ہٰذا کی ٹیم کو اس حقیر سی پیش کش پر بہترین اجر و ثواب عطا فرمائے! آمین یا ربّ العالمین!

مدیر مجلّہ،

ڈاکٹر محمد حسنین نادرؔ

اسلامی معاشرے کے تہذیبی ارتقاء کا تربیتی نظام

The Educational System of the Cultural Evolution of the Islamic Society

Open Access Journal
Qtly. Noor-e-Marfat
eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nooremarfat.com
Note: All Copy Rights are Preserved.

Muhammad Farqan Gohar
Ph.D. Scholar. History of Islamic Civilization.
Mustafa International University, Qum, Iran.
E-mail: m.furqan512@yahoo.com

Abstract:

According to Islam, education is not only an individual matter but also a social and collective matter. In fact, social evolution elevates individuals. The present paper tries to discover the educational system of creating an ideal society from the perspective of Islam. The hypothesis is that this training system revolves around those attributes whose center is the love of Allah Ta'ala. In the shadow of this divine love, the Islamic society completes the journey of its cultural evolution and then it becomes capable of the love of Allah.

Allah Almighty has expressed in the Holy Qur'an that His special love is for the bearers of some special attributes. Following the Holy prophet (A.S) is at the top of these . The core of following the Messenger is human nature which produces different attributes. At the highest level in terms of these attributes are the "benefactors" who are the elite class of society.

“Benevolence” is the highest value, and on its basis, a person instills the best qualities in himself in the first stage and then shares these qualities to the people around him.

People with this trait develop the society due to their high level of consciousness, constant struggle and dedication.

They establish modern order in the society.
Next ti the value of "benevolence" is the value of "fairness" that is the backbone of any social and political system as Justice-minded people maintain justice and fairness in the society.

Key words: Education, Individuals, Society, System, Evolution, Love of Allah, Values, Benevolence, Fairness, Justice.

خلاصہ

اسلام کے نزدیک تربیت صرف فردی امر نہیں ہے بلکہ ایک سماجی اور اجتماعی معاملہ بھی ہے۔ درحقیقت سماجی ارتقاء ہی افراد کو بلند کرتا ہے۔ پیش نظر مقالہ اسلام کی رو سے مثالی معاشرے کی تشکیل کے تربیتی نظام کو کشف کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ فرضیہ یہ ہے کہ یہ تربیتی نظام ان اوصاف کے گرد گھومتا ہے جن کا مرکز اللہ تعالی کی محبت ہے۔ اس محبت الٰہی کے سائے میں اسلامی سماج اپنے تہذیبی ارتقاء کا سفر طے کرتا ہے اور پھر وہ اللہ کی محبت کے قابل ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم میں کچھ اوصاف ایسے ہیں جن کے حاملین کے ساتھ اللہ تعالی نے اپنی خصوصی محبت کا اظہار کیا ہے۔ ہم ان آیات کو جب باہمی پیوستگی اور مربوط نظام کے طور پر دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ نتیجہ ملتا ہے کہ اتباع رسول ان میں سرفہرست ہے کیونکہ یہ باقی اوصاف کو بنیاد فراہم کرتی ہے۔ اتباع رسول کا مرکز ذات انسان ہے جو مختلف صفات پیدا کرتی ہے۔ اوصاف کے لحاظ سے سب سے اعلی درجے پر "محسنین" فائز ہیں جو سماج کے خواص کا طبقہ ہے۔ احسان اعلی پائے کی قدر ہے جس کی بدولت انسان اپنے اندر پہلے مرحلے میں بہترین خوبیاں سمیٹتا ہے اور پھر اپنے اندر موجود خوبیوں کو آس پاس کے لوگوں میں بانٹتا ہے۔ اس صفت کے حامل لوگ اپنی شعوری بلندی، مسلسل جدوجہد اور جانثاری کے باعث معاشرے کو ارتقاء بخشتے ہیں۔ معاشرے میں جدید نظم و انصرام قائم کرتے ہیں۔ اس کے بعد انصاف پسندی کا مرحلہ ہے۔ جو کسی بھی اجتماعی وسیاسی نظام میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ انصاف پسند "مقسطین" معاشرے میں عدل وانصاف کو قائم رکھتے ہیں۔

کلیدی کلمات: تعلیم، افراد، سماج، نظام، ارتقاء، اللہ تعالی کی محبت، اقدار، احسان، انصاف۔

مقدمہ

سہ ماہی مجلّہ "نور معرفت" کے مسلسل شمارہ نمبر 59 میں "مسلم سماج کے اخلاقی ارتقاء میں اللہ تعالی کی پسند و ناپسند کی تاثیر" کے عنوان کے تحت اپنے مقالہ میں ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ اللہ تعالی کا قرآن کریم میں اپنے بندوں سے اظہار محبت مسلم سماج کی اجتماعی تربیت کا سامان فراہم کرتی ہے۔ کیونکہ یہ اظہار محبت جمع کے صیغے کے ساتھ ایسی

اوصاف کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے جو اجتماعی اثرات رکھتی ہیں۔اجتماعی تربیت سے مراد افراد کی شعوری سطح کو اس انداز میں بلند کرنا ہے کہ وہ معاشرے کے اندر مفید اور مؤثر کردار نبھا سکیں۔ اس کے بالمقابل وہ اوصاف بھی اجتماعی اثرات رکھتی ہیں جن کے متعلق اللہ تعالی نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ اس حوالے سے علامہ طباطبائی کا نکتہ نظر بھی پیش کیا تھا جس کے مطابق اللہ تعالی کی محبت کا باعث بننے والے اوصاف و کمالات کے حامل حضرات ہی زمین کے حقیقی وارث بننے لائق ہیں۔ [1]

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان اوصاف کے اندر اتنی طاقت ہے کہ اگر سماجی سطح پر ان اوصاف کے حامل افراد مؤثر کردار ادا کریں تو وہ ایک مثالی معاشرہ تشکیل دے سکتے ہیں جو کہ تہذیب یافتہ اسلامی معاشرہ کہلائے گا۔ تاہم اعلی پایہ کا اسلامی معاشرہ تشکیل دینے کے لئے انتہائی ضروری ہے کہ ان صفات اور خصلتوں کو مربوط انداز میں سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ لہٰذا ہم ان اوصاف کو کاٹ کاٹ کر اور الگ الگ سطح پر دیکھنے کے بجائے ایک رتبہ بندی شدہ نظام کے طور پر دیکھیں گے۔ تب جا کر یہ صفات سماجی سطح پر تہذیبی ارتقاء کا باعث بنیں گی۔ مقالہ حاضر ان صفات کو مربوط انداز میں دیکھنے کی ایک ابتدائی کاوش ہے۔

1۔اتباع رسول

محبت پروردگار کے سائے میں تشکیل پانے والے اسلامی سماج میں تربیت کی سب سے بنیادی ترین سیڑھی «اتباع رسول» ہے۔ کیونکہ «اتباع رسول» ان تمام اخلاقی فضائل کو بنیاد فراہم کرتی ہے جو اعلی اخلاقی اقدار سے لبریز معاشرہ تشکیل دے سکتی ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (3:31)

ترجمہ: "اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ بھی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کردے گا اور اللہ غفور و رحیم ہے۔"

اتباع کیا ہے؟ اس حوالے سے قرآنی لغات پر تحقیقی نظر رکھنے والے محقق «آقاے مصطفوی» لکھتے ہیں:

أنّ الأصل الواحد في هذه المادّة: هو القفو و الحركة خلف شيء مادّيّ أو معنويّ، و سواء كان الاتّباع عملا أو فكرا و الإتّباع هو افتعال و يدلّ على القفو بالاختيار و الإرادة [2]

یعنی: "اتباع کا اصل معنی ایک ہی ہے اور وہ ہے کہ کسی بھی مادی یا معنوی چیز کے پیچھے چلنا، چاہے وہ اتباع فکری ہو چاہے عملی۔ اتباع کے اندر اختیار اور ارادے کا عنصر کار فرما ہوتا ہے"۔

نتیجہ یہ نکلا کہ اتباع ایسی پیروی کو کہا جاتا ہے جس میں اختیار اور آزادی شامل ہو، یعنی اگر انسان کسی کی پیروی

کرنے یا نہ کرنے پر اختیار رکھنے کے باوجود بھی اس کے نقش قدم پر چلتا ہے تو وہ اس کی اتباع کرنے والا شمار ہو گا۔ اسوہ حسنہ/رول ماڈل ہماری زندگی میں بہت ہی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ہم جب تک ان کی سیرت سے آشنا نہیں ہوتے، تب تک ہمیں پتہ نہیں چلتا کہ کیا کرنا ہے۔

اب ہم اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ «اتباع رسول» تمام الٰہی محبتوں کی بنیاد کیسے بنتی ہے؟ تو فرق دیکھئے کہ جہاں کہیں بھی اللہ تعالی نے «محسنین»، «متطھرین»، «توابین»، «مقسطین» وغیرہ کا ذکر کیا ہے، وہاں ان اوصاف رکھنے والے لوگوں کو اپنا محبوب قرار دیا ہے۔ یعنی نہیں فرمایا کہ میں «تم» سے محبت کرتا ہوں، بلکہ مذکورہ صفات کے حامل لوگوں سے اللہ تعالی اپنی محبت کا اظہار فرماتا ہے۔ کیونکہ خاص صفت کا بیان مقصود تھا۔ لیکن یہاں پر ذات کو مخاطب کرکے فرمایا: «یحببکم اللہ» یعنی تم لوگ اللہ کے محبوب قرار پاؤگے اور تمہاری ذات ہی محبوب خدا بنے گی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی ان تمام اوصاف تک پہنچنے کے لئے ہمیں مخاطب کرکے فرما رہا ہے کہ اگر تم اتباع رسول کروگے تو« رسول » تمہیں ان اوصاف کی عملی تصویر نظر آئیں گے۔احسان، عدل، پاکیزگی کردار، امانت داری، صداقت، اللہ پر بھروسہ، سب میں آپ (ص) کی ذات گرامی بے مثال ہے۔ یوں آپ کی اتباع میں ہی یہ ساری اوصاف میسر آسکیں گی۔ لہٰذا اتباع رسول اس بات کی ضمانت ہے کہ وہ آپ کو صحیح معنی میں متقی، پرہیزگار، احسان کرنے والا، اللہ پر بھروسہ کرنے والا، توبہ کرنے والا اور پاکیزہ زندگی گزارنے والا بنا دے گی۔ چنانچہ علامہ طباطبائی فرماتے ہیں:

> و إذا اتّبعوا الرّسول اتّصفوا بكلّ حسنة يحبّها اللّه و يرضاها كالتّقوى و العدل و الإحسان و الصّبر و الثّبات و التّوكّل و التّوبة و التّطهّر و غير ذلك[3]
>
> یعنی: "جب وہ رسول کی اتباع کریں گے تو ہر اس اچھی صفت سے متصف ہو جائیں گے جسے اللہ تعالی پسند فرماتا ہے، جیسے تقوا، انصاف، احسان، صبر، ثبات، توکل، توبہ، پاکیزگی وغیرہ۔"

پس مذکورہ آیت سے چند اہم نکات ہمارے سامنے آتے ہیں:

1۔ محبت پروردگار کا حصول انسان کو اتباع رسول کی دعوت دیتا ہے۔

2۔ اتباع ایک اختیاری عمل ہے۔ جس میں معرفت اور ادراک ضروری ہے۔

3۔ رسول اللہ ص کو اللہ تعالی نے نمونہ عمل/رول ماڈل کے طور پر پیش کیا ہے۔

4۔ تمام اعلی اقدار اور اخلاقی فضائل کی بنیاد «اتباع رسول» ہے۔

5۔ اتباع رسول اسلامی سماج کے اخلاقی ارتقاء کا بہترین ذریعہ ہے۔

2۔احسان

احسان کی حقیقت کیا ہے؟ احسان حسن سے ہے۔ حسن خوبی کو کہتے ہیں۔ احسان اسی خوبی کے پھیلاو کا نام ہے جو انسان کی ذات کے اندر ہے۔ راغب اصفہانی کہتے ہیں کہ احسان کے دو معنی ہیں: پہلا معنی: دوسرے کو نوازنا اور اس کا بھلا کرنا۔ جبکہ دوسرا معنی یہ ہے کہ انسان کے اندر کسی علمی یا عملی خوبی کا وجود۔[4] امام علی (ع) کا اسی حوالے سے ایک قول ہے کہ "الناسُ أبْناء ما يُحْسِنُون "[5] یعنی: لوگ فرزند ہیں اس چیز کے جسے وہ بخوبی سمجھتے/ عمل کرتے ہیں۔ بعض اہل لغت نے اسے یوں معنی کیا ہے: «مَنْسُوبونَ إلى ما يَعْلَمونَه و ما يَعْمَلُونَه مِن الأَفْعالِ الحَسَنَة»[6] یعنی انسان کا عمیق فہم وادراک اور اس کی تجسیم یافتہ عملی شکل انسان کی پہچان بن جاتی ہے۔ مثلاً جب ایدھی کا نام آتا ہے تو انسانی ہمدردی کے جذبات اور فلاحی خدمات اس کی پہچان ہے۔

احسان کی بحث کا آغاز اس واقعے سے کرتے ہیں جو امام زین العابدین علیہ السلام کی سیرت میں ملتا ہے۔ آپ کی ایک کنیز وضو میں آپ کی مدد کر رہی تھی کہ مٹی کا مشکیزہ اس کے ہاتھ سے گرا اور آپ کو زخمی کر دیا۔ وہ کنیز سہم گئی۔ دریں اثناء اس نے یہ آیت تلاوت کی: وَالْكاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (3:134) یعنی: "جو لوگ غصہ پی جاتے ہیں، لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں اور اللہ تعالی محسنین سے محبت کرتا ہے۔"

جب اس نے پہلا جملہ کہا تو آپؑ نے فرمایا کہ میں نے غصہ کو پی لیا، جب دوسرا حصہ تلاوت کیا تو فرمایا: تمہیں بخش دیا، جب تیسرا حصہ تلاوت کیا تو حضرت امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا تم اللہ کی راہ میں آزاد ہو۔[7] اس واقعے کے اخلاقی فوائد اپنی جگہ تاہم جس بنیادی نکتے کو سمجھنا مقصود ہے وہ احسان کی حقیقت ہے۔ امام سجاد علیہ السلام نے کیوں صرف کنیز کو سزا نہ دینے پر اکتفاء نہ کیا؟ کیونکہ آیت کا اقتضاء یہی تھا۔ معاف کرنا احسان کی اندرونی شکل ہے۔ اس کا عملی اظہار احسان کی ارتقاء یافتہ شکل ہے۔ لہٰذا یہ احسان کنیز کی آزادی پر ختم ہوا۔

آیات کریمہ میں احسان اور معاف کرنے کے درمیان بڑا گہرا رشتہ قائم ہے۔ فرمایا: فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ یعنی: "انہیں معاف کردو اور چشم پوشی کر لو، بیشک اللہ تعالی محسنین سے محبت کرتا ہے۔" اس وضاحت کی روشنی میں ہم کئی ایک آیات کو سمجھ سکتے ہیں۔ مثلا یہ آیت: وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْها حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَداً وَادْخُلُوا الْبابَ سُجَّداً وَقُولُوا حِطَّةٌ نَغْفِرْ لَكُمْ خَطاياكُمْ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ (2:58) ترجمہ: "جب بنی اسرائیل نے غلطیاں کیں اور اللہ تعالی نے انہیں اجازت دے دی کہ ایک بستی میں داخل ہو جاو تو فرمایا کہ دوازے کے اندر داخل ہوتے وقت سجدہ کرو (جھکو) اور کہو کہ ہمارے گناہ جھڑ جائیں۔ اگر ایسا کروگے تو تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے اور ہم محسنین کو مزید بھی عطا کریں گے"۔

اس آیت کے مطابق بھی محض انکساری اور استغفار کے بدلے میں گناہوں کی معافی کا اعلان ہے۔ جبکہ احسان کرنے والوں کے لیے مزید بہتر مقامات کا وعدہ دیا گیا ہے۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ احسان محض انکساری اور استغفار جیسے اندرونی صفات سے آگے کی چیز ہے۔فرمایا: وَأَنۡفِقُوافِی سَبِیلِ اللهِ وَ لا تُلۡقُوا بِأَیۡدِیکُمۡ إِلَی التَّهۡلُکَةِ وَ أَحۡسِنُوا إِنَّ اللهَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِین (195:2) یعنی: "اللہ کی راہ میں انفاق کرو اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں مت پڑو اور احسان کرو، بیشک اللہ تعالی احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔"

اس آیت میں بھی انفاق اور خود کو ہلاکت سے بچانے کے بعد، احسان کا مرحلہ ہے۔انفاق کا تعلق بھی دوسروں سے ہی ہے، لیکن احسان اس سے بھی ارتقاء یافتہ ہے۔ مثلا والدین پر انفاق کا حکم کسی آیت میں نہیں ہے۔ ہمیشہ قرآن نے والدین کے ساتھ احسان کا حکم دیا ہے: وَ وَصَّیۡنَا الۡإِنۡسٰانَ بِوٰالِدَیۡهِ حُسۡناً (8:29) یعنی: "،ہم نے انسان کو وصیت کی ہے کہ وہ والدین کے ساتھ خوبی کرے۔"احسان کرنے کے لیے بہت کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے، احسان فریق مقابل کی ضرورت کے پیش نظر ہوتا ہے، جبکہ انفاق آپ کی استطاعت کے مطابق۔ مثلا والدین کو کبھی آپ کے پیسے سے زیادہ وقت، خلوص، خدمت اور محبت کی ضرورت ہوتی ہے۔ مذکورہ وضاحتوں کی روشنی میں ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ :

1. احسان اندرونی خوبیوں کے عملی اظہار کا نام ہے۔
2. انسان کی خوبیاں اس کی پہچان بن جاتی ہیں۔
3. ہمارے پیشواؤں کی سیرت احسان پر قائم تھی۔
4. احسان کا درجہ انفاق سے اونچا ہے۔
5. محسنین کا مقام پانے کے لیے «معاف کرنا» ضروری ہے۔

محسنین کی صفات اور مقام

احسان کی حقیقت واضح ہونے کے بعد اہم مسئلہ «محسنین» کا مقام ہے۔اور یہ کہ محسنین کن کن خصوصیات اور اخلاقی صفات کی بنیاد پر لوگ «مقام احسان» تک پہنچتے ہیں؟ حضرت یوسف (ع) کو اللہ تعالی نے قرآن میں پانچ مرتبہ محسنین میں سے قرار دیا ہے(12:90،78،56،36،22)۔(اور میری معلومات کی حدتک یہ تعداد قرآن میں کسی بھی دوسری شخصیت سے زیادہ ہے، مثلا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تین بار اس صفت کے ساتھ ذکر کیا ہے (6:84، 37: 105 و 110)۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ محسنین کے مقام کو پہچاننے کے لیے قصہ یوسف (ع) میں برجستہ ترین صفات کو سمجھا جائے۔

قصہ یوسف ایک خواب سے شروع ہوتا ہے۔ کنعان کی ایک چھوٹی سی بستی میں رہنے والا بچہ «بہت بڑا خواب» دیکھتا ہے۔ خواب یہ ہے کہ گیارہ ستارے، سورج اور چاند اس کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ باپ اسے کہتا ہے کہ یہ خواب اپنے بھائیوں کو مت بتانا کہ تم سے حسد کرنے لگیں گے۔ (12: 4-5۔)

اس کے بعد یہی بچہ سختیاں مصائب برداشت کرتا ہے۔ کنویں میں پھینک دیا جاتا ہے۔ مصر کے بازار میں «ثمن بخس» یعنی ناچیز سے مال کے عوض اس کا سودا ہوتا ہے اور پھر عزیز مصر کی غلامی میں آجاتا ہے۔ وہاں سے اپنی پاکدامنی کے سبب زندان کی صعوبتیں برداشت کرتا ہے۔ پھر وہ قیدیوں کو دعوت توحید دیتا ہے۔ اہل زندان پر آپ کی اثر اندازی کا یہ عالم ہے کہ دو آدمی «خواب» دیکھتے ہیں اور اجنبی ہونے کے باوجود وہ حضرت یوسف (ع) سے اس کی تعبیر پوچھتے ہیں، یہ کہہ کر کہ ہم تمہیں «محسنین» میں سے پاتے ہیں۔ یہاں پر احسان کا مفہوم گذشتہ بیان کی روشنی میں سمجھ سکتے ہیں۔ کیونکہ راغب نے کہا تھا کہ احسان دو قسم کا ہے علمی اور عملی۔ یہاں ایک مہارت اور علم کی بات ہو رہی ہے۔ کیونکہ انہیں ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو انہیں خواب کی تعبیر بتلائے۔

مزید برآں، واضح طور پر سورہ یوسف ہی کی ایک آیت میں علم و حکمت کو احسان کی صفت کے ساتھ جوڑ دیا ہے، فرمایا: وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْماً وَعِلْماً وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ (22:12) یعنی: "جب حضرت یوسف جوان ہوئے، تو ہم نے اسے حکمت و دانائی عطا کی اور ہم محسنین کو اسی قسم کا اجر دیتے ہیں۔"

اسی حکمت ہی کے طفیل وہ مصر کے بادشاہ کے ہاں عزت و مقام پاتا ہے۔ ان مہارتوں اور دانشوری اور حکمت و امانت داری کے طفیل اللہ تعالی حضرت یوسف کو عزیز مصر بنا دیتا ہے۔ پھر وہی بھائی جو ایک دن اسے کنویں میں پھینک کر چلے گئے تھے اور خوش تھے کہ یوسف سے چھٹکارا پانے کے بعد اب وہ اپنی چھوٹی سی بستی میں آسودہ ہو کر رہ سکتے ہیں، ایک دن وہ بھی آجاتا ہے کہ اسی یوسف کے سامنے التماس کرتے نظر آتے ہیں کہ «ایہا العزیز!» اے مصر کے بلند مرتبہ شخص! ہمارا باپ بہت بوڑھا ہے تم اگر چاہو تو ہم سے نرم برتاو کرو اور بنیامین کے بجائے کسی اور کو رکھ لو۔ (إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ) ہم تمہیں «محسنین» میں سے سمجھتے ہیں۔

یہ عزیز مصر وہی بچہ ہے جس نے سختیاں مصائب جھیلے۔ لیکن اپنی حکمت، مہارت اور امانت داری کے سبب مصر کے ایک اعلی عہدے پر براجمان ہے۔ حضرت یوسف کا کردار دونوں قسم کے احسان پر محیط ہے۔ وہ محسن ہے، نہ صرف اس لیے کہ اس نے اپنا دامن پاک رکھا، اپنے حاسد بھائیوں سے کینہ اور بغض نہ رکھا، اچھائی کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیا اور انہیں آخر میں یہ کہہ کر معاف کر دیا کہ «لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم و ھو ارحم الراحمین»۔ «تم پر آج کوئی پکڑ نہیں ہے، اللہ تعالی تمہیں معاف کرے اور وہ ارحم الراحمین ذات ہے»۔ بلکہ وہ

محسن اس لیے بھی ہے کیونکہ اسے مصر کے سب سے اہم ترین ہنر یعنی تعبیر خواب پر عبور حاصل ہے۔ جہاں مصر کے بڑے بڑے «کاہن» «پیشگو» عاجز نظر آئے، وہیں حضرت یوسف تعبیر خواب میں ماہر نظر آئے۔

صرف یہی نہیں بلکہ اس نے اپنی صلاحیت، محنت اور کوشش سے اہل مصر کو ایک بہت بڑے معیشتی بحران سے نجات دلائی۔ سات سال قحطی کے لیے تدبیر اندیشی کی، اسے پھر عملی جامہ پہنایا اور لوگوں کو قحط سالی سے نجات دلائی۔ اور اپنے اس دعوے کو سچ کر دکھایا کہ «انی حفیظ علیم» میں حفاظت بھی کر سکتا ہوں اور دانا بھی ہوں۔

حضرت یوسف (ع) اس لیے بھی «محسن» ہے کہ اس نے مصر کی چکا چوندھ کرنے والے تہذیب میں اپنے وجود کی خوبصورتی کو بھسم نہ ہونے دیا۔ اس نے اپنا پاکیزہ کردار اور «توحیدی نظریہ» برقرار رکھا۔ یوں اس نے انسانیت کی عظیم خدمت کرکے مصر میں اپنا بلند مقام پایا۔ رب کریم نے یوں پھر احسان سے پہنچنے والے عبد اور معبود کے رابطے کو بیان کیا: وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ (56:12) یعنی: "اور یوں ہی ہم نے یوسف کو زمین میں طاقت عطا کی، جہاں چاہے اپنا ٹھکانہ بنائے، ہم اپنی رحمت سے جسے چاہیں نواز دیتے ہیں اور ہم «محسنین» کا اجر ضائع نہیں ہونے دیتے۔"

«محسنین» اور سماجی ارتقاء

ہمارا اصل مفروضہ یہ ہے کہ ان آیات کو مثالی معاشرے کی تشکیل کے لیے اتارا گیا ہے۔ اس لحاظ سے احسان جیسی بنیادی صفت کے سماجی کردار پر تبصرہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ «احسان» ایک متعدی صفت ہے۔ یعنی اپنی اندرونی خوبیوں کا دوسروں کے ساتھ عملی اظہار ہے۔ یہ خوبیاں علم و حکمت اور معرفت کے میدان میں بھی ہو سکتی ہیں۔ اخلاق و عمل اور نیکی و بھلائی کے میدان میں بھی ہو سکتی ہیں۔ ایک آیت میں فرمایا کہ محسنین کی نہ صرف آخرت بلکہ دنیا بھی اچھی ہوتی ہے: فَآتَاهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (148:3)۔ یعنی: "اللہ تعالی نے انہیں دنیا کی پاداش بھی دی ہے اور آخرت کا بہتر ثواب بھی عطا کیا ہے اور اللہ تعالی محسنین سے محبت کرتا ہے۔"

پس معلوم ہوا کہ محسنین دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اور اہل نظر جانتے ہیں کہ دنیوی کامیابیاں اور کامرانیاں فردی نہیں بلکہ سماجی ہوتی ہیں۔ ناکام معاشروں میں افراد کامیاب ہو کر بھی ناکام رہتے ہیں۔ کیونکہ کامیابی کا ایک سرا خود انسان کے ہاتھ میں ہے، دوسرا سرا سماج سے جڑا ہے۔

ایک اور آیت میں فساد اور احسان کو ایک دوسرے کے متضاد کے طور پر دیکھا گیا ہے۔ فرمایا:

وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا إِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ (56:7)

یعنی: "زمین میں اصلاح کے بعد فساد نہ کرو اور اللہ کو خوف اور امید کے ساتھ پکارو، بیشک اللہ کی رحمت محسنین کے قریب ہے۔"

اس آیت سے نتیجہ لیا جا سکتا ہے کہ محسنین فسادی نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ اس روئے زمین پر اپنے فکر و عمل سے بہتری لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی کے ساتھ «اعتداء» کا مفہوم بھی جڑا ہے۔ یعنی زیادتی اور دوسروں کا حق مارنا۔ یہ اللہ تعالی کو ناپسند ہے۔ یہ دو آیات ایک ساتھ آئی ہیں جن میں سے ایک میں فرمایا کہ اللہ تعالی «معتدین» کو پسند نہیں کرتا(55:7)۔ اگلی ہی آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالی کی رحمت «محسنین» کے قریب ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پسندیدہ سماج «محسنین» کی کثرت اور ان کی اگوانی سے تشکیل پاتا ہے، جبکہ ناپسندیدہ سماج مفسدین اور معتدین کے بل بوتے پر تشکیل پاتا ہے۔

ایک اور صفت جو قرآن نے محسنین کے لیے ذکر کی ہے وہ ہے خالصانہ جدوجہد۔ یعنی یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اللہ کی راہ میں سچی نیت کے ساتھ جدوجہد پر یقین رکھتے ہیں۔ فرمایا: وَ الَّذینَ جاهَدُوا فینا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنا وَإِنَّ اللهَ لَمَعَ الْمُحْسِنینَ (69:29) یعنی: "وہ لوگ جو ہماری راہ میں جدوجہد کرتے ہیں، ہم انہیں اپنی راہیں ضرور دکھاتے ہیں اور اللہ تعالی تو محسنین کے ساتھ ہے۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ «محسنین» محنت پر یقین رکھتے ہیں۔ بیکاری، سستی، کاہلی اور اس جیسی خصلتوں کے مالک کبھی مقام احسان تک نہیں پہنچ پاتے۔

حضرت یوسف نے سیاسی اور سماجی میدان میں صرف ایک ہی دعوا کیا، اسے پورا کرنے میں سات سال لگا دیئے۔ ایک جملہ منہ سے نکالا (انی حفیظ علیم) اس پر عمل کرتے ہوئے سات سال لگائے۔ ہمارے سماج کے اندر دعووں کی بھرمار ہے، عملی نتائج ناپید ہیں۔

امام علی (ع) کا ایمان و کفر کے شعبوں پر ایک جامع خطبہ ہے، جس میں آپ نے تقوا کو ایمانی لشکر کے تدارکات سے تشبیہ دی ہے، جبکہ «محسنین» کو اس لشکر کا دلیر سپاہی قرار دیا ہے: التَّقْوَى عُدَّتُهُ وَ الْمُحْسِنُونَ فُرْسَانُه»۔[8] یہ ایمانی سماج کے اندر «محسنین» کے کردار کو پہچاننے کے لیے انتہائی خوبصورت استعارہ ہے۔ سماجی ارتقاء کے لئے ہمیں احسان کا دائرہ بھی بڑھانا ہے اور محسنین کی تربیت بھی کرنی ہے۔ ہمارا سماج آگے بڑھنے کے لیے اس صفت کے حامل افراد کا محتاج ہے۔ حضرت یوسف (ع) جیسے پاکدامن، سخت کوش، جدوجہد کرنے والے، اپنے عزائم میں پختہ، یقین کے پیکر، بات پر پورا اترنے والے افراد ہماری سماجی اور سیاسی ضرورت ہیں۔ قرآنی منطق کے مطابق عمل کے میدان میں صرف «محسنین» ہی کامیاب ہیں۔ زیادتی کرنے والے «معتدین» اور فساد پھیلانے والے «مفسدین» سماجی ارتقاء میں کوئی کردار ادا نہیں کر سکتے بلکہ الٹا معاشرے کو انحطاط اور پستی کی طرف دھکیلتے ہیں۔

3۔انصاف پسندی

قرآنی منطق کے مطابق احسان کے ساتھ عدل کا مفہوم جڑا ہے۔«بے شک اللہ تعالی عدل و احسان اور رشتہ داروں کی مدد کا حکم دیتا ہے» (النحل: ۹۰)۔ یہ بھی فرمایا کہ «اے ایمان والو «قسط» قائم کرنے میں بہت زیادہ کوشش کرو اور اللہ کے لیے گواہ بنو اگرچہ یہ گواہی تمہارے یا تمہارے قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو (135:4)۔ چنانچہ راغب اصفہانی نے کہا ہے، قسط سے مراد کسی بھی چیز کو بانٹنے میں انصاف سے کام لینا ہے۔ (مفردات، ص670)

اللہ تعالی نے پانچ بار «محسنین» کے ساتھ اظہار محبت فرمایا ہے، جبکہ «مقسطین» کے ساتھ تین بار محبت کا اظہار فرمایا ہے۔ محبت کا مفہوم ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالی کی خصوصی عنایت، توجہ اور عطاء ایسے لوگوں کے شامل حال ہو جاتی ہے۔ «مقسطین» یعنی انصاف پسند لوگوں کے ساتھ محبت کا ذکر جن آیات میں ہوا ہے، خود ہر ایک آیت اپنی جگہ دلچسپ ماجرا لیے بیٹھی ہے۔ آیئے ان تینوں آیات پر ایک نظر دوڑاتے ہیں:

سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ أَكَّالُونَ لِلسُّحْتِ فَإِنْ جاؤُكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئاً وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ» (42:5)

(مدینہ کے یہودی) جھوٹ سننے کی عادت رکھتے ہیں اور حرام خور ہیں۔ اگر وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ ان کے درمیان فیصلہ کرو یا منہ موڑ لو۔ اگر منہ موڑ لوگے تب بھی وہ آپ کو نقصان نہیں پہنچا پائیں گے اور اگر فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، بیشک اللہ تعالی انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

دوسرا ذکر سورہ حجرات میں ہے۔ سورہ حجرات مسلمانوں کے آپس کے معاملات درست کرنے کے لیے نازل ہوئی ہے۔ اس میں بہت سے اخلاقی اور اجتماعی احکام موجود ہیں۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی سماج کے تہذیبی اصولوں کا ایک مجموعہ اس سورے میں اتارا گیا ہے۔ اس کی نویں آیت میں انصاف کا تذکرہ ہے، فرمایا کہ

وَإِنْ طائِفَتانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُما فَإِنْ بَغَتْ إِحْداهُما عَلَى الْأُخْرى فَقاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلى أَمْرِ اللهِ فَإِنْ فاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُما بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (9:49)

اگر مؤمنین کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کروا دو۔ اگر ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے کے ساتھ مقابلہ کرو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ اگر وہ لوٹ آئے تو ان کے درمیان انصاف کی بنیاد پر صلح کروا اور انصاف سے کام لو بیشک اللہ تعالی انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

تیسری آیت جس میں انصاف کرنے والوں سے محبت کا تذکرہ ہے وہ سورہ ممتحنہ میں ہے۔ سورہ ممتحنہ مسلمانوں

کے بیرونی روابط کے بارے میں ہے۔ یعنی محکمہ خارجہ اور اپنے زمانے کی خارجہ پالیسی کا تعین اس سورہ میں ہوا ہے۔ مسلمانوں کو کفار اور معاندین اور عام غیر مسلم افراد کے ساتھ کیسے برتاؤ کرنا ہے؟اس کے بنیادی اصول اس سورہ میں سکھائے گئے ہیں۔

اسی سورے کی آٹھویں آیت میں فرمایا: لَايَنْهَاكُمُ اللهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَ تُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ(8:60) یعنی: "اللہ تعالی تمہیں ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے آپ سے دین کی وجہ سے لڑائی جھگڑا نہیں کیا اور تمہیں گھروں سے نہیں نکالا، اس چیز سے نہیں روکتا کہ ان کے ساتھ بھلائی کرو اور انصاف کا سلوک کرو، بیشک اللہ تعالی انصاف کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔"

ارتقائے سماج اور انسانیت کے لیے انصاف پسند معاشرے کی تشکیل اولین ضرورت ہے۔ ان تین آیات میں تین اہم شعبوں پر انصاف کی حکومت قائم کیے جانے کو انتہائی پسندیدہ فعل کے طور پر قرار دیا گیا ہے۔

ایک، وہ انصاف جو خود محکمہ انصاف میں ہوتا ہے۔ یعنی عدلیہ جس کا نام ہی عدل سے جڑا ہے وہاں ماورائے عدل فیصلے انتہائی شرمناک اور ناپسندیدہ ہیں۔ کسی بھی سماج کی کشتی ڈبونے کے لیے یہی «محکمہ ناانصاف» ہی کافی ہوتا ہے۔

دوسرے، خود مسلمانوں کے آپس کے تنازعات، یہ چاہے سیاسی ہوں یا مسلکی نوعیت کے ہوں، چاہے ذاتی معاملات پر ہوں، ان میں انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دینا اللہ تعالی کے پسندیدہ معاشرے میں بہت بنیادی امر ہے۔ایسا سماج جہاں تنازعات کو تعصب اور جانبداری کی شہہ میسر ہو وہ کبھی بھی تنازعات سے باہر نہیں آسکتا۔ تنازعات میں گھرا معاشرہ بحران زدہ اور دیمک زدہ ہوتا ہے۔اس کی توانائیاں منفی کاموں پر خرچ ہو رہی ہوتی ہیں۔

تیسرے، غیر مسلم سماج کے ساتھ تعلقات کا معاملہ ہے۔ ایسے لوگ جن سے ہمیں کوئی گزند نہیں پہنچا، چاہے وہ سکھ ، ہندو ، بدھ مت ہوں یا جین مت ، یہودی اور عیسائی یا کسی بھی دوسرے مذہب کے لوگ ہوں، ان کے ساتھ اچھائی اور انصاف کا معاملہ کیا جانا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ انسانیت میں سب لوگ مشترک ہیں۔ بقول حضرت علی ع کے انسان دو طرح کے ہیں یا تمہارے دینی بھائی ہیں یا پھر انسانیت میں تیرے جیسے ہیں۔ (نہج البلاغہ : مکتوب 53) یہی قرآنی حکم ہے جو سورہ ممتحنہ کی آٹھویں آیت میں اتارا گیا ہے۔

عدل وانصاف پر مبنی سماج کا قیام

عدل کا معنی ہر چیز کو اس کا مناسب مقام دینا ہے۔ عدل، لیاقت کی بنیاد پر مقام و منصب دیے جانے کو یقینی بناتا ہے۔ حضرت امام علی علیہ السلام نے فرمایا : العدل یضع الامور مواضعها[9] یعنی: "عدل، امور کو اپنی واقعی جگہ پر رکھتا ہے۔" قرآن کریم کے مطابق رسولوں کے بھیجے جانے کا ایک ہدف «لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ» (25:57) تھا؛

یعنی یہ کہ لوگ خود انصاف کے تقاضے پورے کریں۔
لہٰذا لوگوں کو، بالخصوص اہل ایمان کو چاہیے کہ وہ ظلم کے خلاف کھڑے ہو جائیں اور عدالت خواہی ان کا حکمرانوں سے اولین مطالبہ ہونا چاہیے: و إنصاف كلّ مظلوم من ظالمه، و منع كلّ ظالم من ظلمه[10] یعنی: "ظالم کا ساتھ کبھی نہ دیں۔ ہمیشہ مظلوم کے حق میں آواز اٹھائیں۔ ظلم کی نوعیت کو سمجھیں اور ہمیشہ اس پر آواز اٹھائیں۔ یہ سب انفرادی درجات ہیں۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ (ص) نے فرمایا: إِنَّ الْمُقْسِطِينَ، عِنْدَ اللَّهِ، عَلَى مَنَابِرَ مِنْ نُورٍ عَنْ يَمِينِ الرَّحْمَنِ عَزَّ وَ جَلَّ. وَ كِلْتَا يَدَيْهِ يَمِينٌ؛ الَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَ أَهْلِيهِمْ وَ مَا وَلُوا[11] یعنی: "بے شک انصاف کرنے والے اللہ کے ہاں، اللہ کے دائیں جانب نور کے منبروں پر جلوہ فگن ہوں گے اور اللہ کے ہاں دائیں بائیں کا فرق نہیں ہے (کیونکہ وہ جسم و جسمانیت سے پاک ہے) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے فیصلوں میں، اپنے اہل و عیال میں اور جس چیز پر انہیں سرپرستی دی گئی عدل و انصاف سے کام لیا۔"
عدل کے قیام میں عدل قائم کرنے والے منصف اور قاضی کے وجود پر عدالت کی حکمرانی شرط ہے۔ یعنی وہ شائستہ فیصلے کرے اور کسی طرف بلاجواز جھکاو نہ دکھائے۔ اسلامی معاشرے میں عدالت کے قیام کے لیے دوسری چیز، اللہ تعالی کے رضا اور اس کے حکم کی بجاآوری کے لیے گواہی دینا ہے۔ ظاہر ہے کسی بھی عدالت کا نظام اکثر، گواہیوں پر چلتا ہے۔ گواہی کو گواہ کے مشاہدے کے عین مطابق اور "شہداء للہ"، یعنی خدا کے لیے گواہی دی جائے؛ نہ کہ رشتہ داریوں اور تعلقات کی بنیاد پر۔

چند تجاویز

سماجی عدل و انصاف کے قیام کے سب سے اہم امر خود سماجی نظام کی اصلاح ہے۔ یعنی ایک ملک و سماج کے تمام ادارے لیاقت، استعداد اور عدل و انصاف کی بنیاد پر کھڑے ہوں۔ کوئی شخص یا کوئی ادارہ مال و دولت یا اداری اختیار و نفوذ کی بنیاد پر عدالتوں سے اپنی پسند کے فیصلے نہ کروائے۔ نیز قرآنی ارشادت کی بنیاد پر عدل و انصاف کے عمل میں کوئی رشتہ داری اور تعلقات کارفرمانہ ہوں؛ نہ قومی، مسلکی، سیاسی یا لسانی تعصّبات وغیرہ۔ نیز سفارش کلچر اور رشوت خوری کا خاتمہ ہونا چاہیے۔ اسی طرح مختلف مافیاز جو کہ ریاست کے رقیب ہوتے ہیں، اُن کا قلع قمع ضروری ہے۔ درحقیقت، مافیاز، ریاستی کی رٹ کو چیلنج کرتے ہیں۔ انہوں نے ہر ادارے، ہر میدان اور ہر سماجی شعبے میں اپنے «بندے» بٹھائے ہوتے ہیں۔ یہی سہولت کاری کرتے ہیں۔ انہیں معاونت فراہم کرتے ہیں کہ اپنی مرضی کے قوانین، اپنی مرضی کے ایکٹ بنوائیں، اپنی مرضی سے انہیں تفسیر کریں، اپنی مرضی کی حد تک

انہیں لاگو کریں۔ یہ عدل و انصاف کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہوتے ہیں۔ مافیاز کا خاتمہ کسی بھی فلاحی ریاست کی اولین ترجیح ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ قوانین کی مسلسل اصلاح اور بدلتے حالات اور شرائط کے مطابق ان کی تشریح اور تبصرے، عدل و انصاف تک پہنچنے کی اہم سیڑھی ہے۔ لہٰذا قوانین صاف شفاف، قابل عمل اور عدل و انصاف کی بنیاد پر وضع کیے جائیں۔

انصاف کی خرید و فروش اور سماجی انحطاط

ایک حکیمانہ قول ہے کہ عادل حکمران موسلا دھار بارش سے بھی زیادہ بابرکت ہوتا ہے۔[12] چنانچہ امام علی (ع) جب مسند خلافت پر بیٹھے تو اپنے سپہ سالاروں کی طرف ایک ہی مضمون پر مشتمل یہ خط لکھا: أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ مَنَعُوا النَّاسَ الْحَقَّ فَاشْتَرَوْهُ وَ أَخَذُوهُمْ بِالْبَاطِلِ فَاقْتَدَوْهُ[13] یعنی: "اللہ تعالی کی حمد و ثناء کے بعد، جان لو کہ تم سے پہلی اقوام عالم کی ہلاکت صرف اور صرف اس وجہ سے ہوئی کہ انہوں نے لوگوں کو ان کا حق نہ دیا، جس کے نتیجے میں لوگ اپنا حق پیسے دے کر خریدنے پر مجبور ہوئے، اور انہیں باطل پر اکسایا، تو لوگوں نے باطل میں ان کی پیروی کی"۔

قومی سطح پر ہلاکت کا مفہوم قابل غور امر ہے۔ کبھی تو ہلاک ہونے سے مراد کسی قوم کا صفحہ ہستی سے مٹ جانا ہے، جبکہ کبھی وہ دنیا میں رہتے ہوئے، فساد، کرپشن، اور ظلم کی دلدل میں گھر جانے کے باعث اس حد تک ذلت، پستی اور انحطاط کا شکار ہو جاتی ہے کہ عدل و انصاف، ایثار و قربانی، مساوات، اخوت و برادری و بھائی چارہ، استقلال اور آزادی فکر و بیان، روشن ضمیری اس جیسے بلند مرتبہ انسانی اقدار وہاں اپنا مفہوم کھو دیتے ہیں اور یوں وہ قوم کسی کو منہ دکھانے لائق نہیں رہتی۔ دوسروں کی نوکری اور چاکری اس کا مقدر ہوتی ہے۔ فرد کو چھوڑ پوری کی پوری قوم ایک قسم کی غلامی اور ذلت میں ڈوب جاتی ہیں، اس فقر و فلاکت اور ایسی بدبختی اور ذلت کو اگر ہلاکت نہ کہا جائے اور تو اور کیا نام دیا جانا مناسب ہے؟؟؟

دنیا جہان کی مختلف تہذیبوں کے عروج و زوال کی داستانیں پڑھنے کے بعد یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ جہاں کہیں بھی معاشرتی سطح پر خوشحالی اور تنومندی آئی تو اس کی وجہ حق اور حقوق کی پاسداری ہے، جس کا دوسرا رخ ہر ایک کا اپنی اپنی ذمہ داریاں صحیح طریقے سے نبھانا ہے۔ ان دونوں میں حکمران طبقے کا کردار سب سے بنیادی نوعیت کا ہے۔ مولا علی ع کے اس خط میں چند اہم نکات کی طرف اشارہ ہے:

1۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ادارہ جات میں پائی جانے والی بدعنوانیوں کی جڑ حکمران طبقہ ہے اور یوں فساد سب سے پہلے اوپر کی سطح پر رونما ہوتا ہے، اور لوگ فقط تقلید کرتے ہیں، یعنی لوگوں کا کام پیروی ہے۔

2۔فساد اور بد عنوانی پھیلنے کی اہم وجہ ان کے بنیادی حقوق کا راستہ روک کر انہی حقوق کی قیمت وصول کرنا، اور یوں انصاف کی فراہمی جو کہ ہر انسان کا پیدائشی اور بنیادی حق ہے، اگر پیسوں میں بک رہی ہو تو سمجھو کہ ہلاکت اور تباہی اس قوم کا مقدر ہے۔

3۔ تیسری بات یہ ہے کہ اقوام عالم میں کوئی استثناء نہیں ہے۔ یعنی اللہ تعالی کی یہ «سنت» قائم و دائم ہے۔اس لیے جہاں سماجی ترقی، فلاح و بہبود نظر آئے وہاں مذہب، دین، جغرافیا کی قید کے بغیر اس سماج کی ترقی کے علل و اسباب کا جائزہ لینا چاہیے اور ان سے الہام لے کر اپنی قوم کی حالت بہتر بنانے کی ترکیب سوچنی چاہیے۔

نتیجہ

اس تحریر میں مثالی معاشرے کے قیام میں قرآن کے تربیتی نظام کو زیر بحث لایا گیا ہے۔یہ تربیتی نظام ان اوصاف کے گرد گھومتا ہے جن کو اللہ تعالی نے قرآن میں اپنی محبت اور توجہ کا مرکز بنایا ہے۔ سب سے بنیادی صفت ایک جامع ترین اسوہ حسنہ کا وجود ہے، جس کی پیروی اور نقش قدم پر چلنا ہمارے معاشرے کی نجات کا ضامن ہے۔قرآن کے نکتہ نظر سے وہ ہستی رسول اللہ کی ذات گرامی ہے۔

دوسری صفت احسان ہے، جس کا بہترین نمونہ حضرت یوسف ہیں، محسنین سماجی ارتقاء میں بنیادی کردار ادا کر سکتے ہیں۔ قرآن کریم نے سب سے زیادہ محبوبیت کا اظہار اسی صفت کے ساتھ کیا ہے۔انصاف سے بھی زیادہ احسان پر زور دیا ہے، کیونکہ احسان کرنے والے لوگ عام سطح فکر اور سطح عمل سے اونچے ہوتے ہیں۔وہ فداکاری اور جانثاری کے مرحلے پر فائز ہوتے ہیں۔ یہ خواص کی سطح ہے جن کی علمی، فکری اور عملی خوبیوں سے سماج میں ارتقاء آتا ہے،انہی کے طفیل سماج چیلنجز سے نمٹنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔یوں محسنین کا وجود خود انصاف پسندی کو بھی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

احسان کے بعد عدل کی نوبت آتی ہے۔ سیاسی، سماجی اور قانونی سطح پر عدل و انصاف کا قیام ہی معاشرے کو فلاح یافتہ بنا سکتا ہے۔ تاہم اس کے لیے ایسے لوگوں کا وجود ضروری ہے، جو سرمایہ اور اقتدار سے پنپنے والے فساد کا شکار نہ ہوں اور اس سے مقابلے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہوں۔ یہ طبقہ محسنین سے تشکیل پاتا ہے۔ یوں محسنین اسلامی سماج کے تہذیبی ارتقاء میں حضرت یوسف (ع) کی مانند سب سے بنیادی کردار ادا کریں گے اور ان کے شانہ بشانہ «مقسطین» (انصاف پسند لوگ) اپنا کردار نبھائیں گے۔

*****

References

1. Muhammad Hussain, Tabatabai, *Al-Mizan fi Tafsir al-Qur'an*, Vol. 5, Chap. 2 (Beirut, Muasasat al'Elami lilmatbuat, 1390 SH), 383.

محمد حسین، طباطبایی، المیزان فی تفسیر القرآن، ج5، چاپ2 (بیروت، مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات، 1390 ھ ق)، 383۔

2. Hassan, Mustafawi, *Al-Tehqeeq fi Kalamat al-Qur'an al-Karim*, Vol. 1 (Tehran, Markz al-Kitab Lil-Tarajmat wa al-Nisher, 1402 AH), 377.

حسن، مصطفوی، التحقیق فی کلمات القرآن الکریم، ج 1 (تہران، مرکز الکتاب للترجمۃ والنشر، 1402 ھ ق)، 377۔

3. Tabatabai, *Al-Mizan fi Tafsir al-Qur'an*, 383.

طباطبائی، المیزان فی تفسیر القرآن، 383۔

4. Hussain bin Muhammad Raghib, Isfahani, *Muafradat 'alfaz al*-Qur'an, Vol. 1(Lebanon, Syria I, Dar-ul-Ilam - Al-Dar al-Shamiat, 1412 AH), 236.

حسین بن محمد راغب، اصفہانی، مفردات الفاظ القرآن، ج1 (لبنان، سوریہ اول، دار العلم -الدار الشامیۃ، 1412 ھ ق)، 236۔

5. Muhammad bin Yaqoub Abu jafar, kulani, *al-Kafi*, Vol. 1, Chap 4 (Tehran, Dar al-Kutub al-Islamiyahat, 1407 AH), 51.

محمد بن یعقوب ابو جعفر، کلینی، الکافی، ج1، چاپ4 (تہران، دار الکتب الاسلامیۃ، 1407ھ ق)، 51۔

6. Syed Muhammad Murtaza Hussaini, Mohib al-Din, Zubaidi, Wasti, Hanafi, *Taj al-Arous min Jawahir al-Qamoos*, Vol. 18 (Beirut, Dar al-Fikr Liltibat wa al-Nasher waltawze, 1414 AH), 143.

سید محمد مرتضی حسینی، محب الدین، زبیدی، واسطی، حنفی، تاج العروس من جواہر القاموس، ج18 (بیروت، دار الفکر للطباعۃ و النشر والتوزیع، 1414 ھ ق)، 143۔

7. Muhammad bin Ali, Ibn Babuyeh, *Al-Amali (Lal Saduq)*, Chaap. 6 (Tehran, np., 1376 SH), 201.

محمد بن علی، ابن بابویہ، الأمالی (للصدوق)، چاپ ششم (تہران، ناشر ندارد، 1376ش)، 201۔

8. Hassan bin Ali, Ibn Shuba Harani, *Tufh al-Aqool*, Chaap. II (Qum, np., 1404 AH/1363 SH), 164.

حسن بن علی، ابن شعبہ حرانی، تحف العقول، چاپ دوم (قم، ناشر ندارد، 1404 / 1363ق)، 164۔

9. Syed Muhammad Razi, *Nahj al-Balaghah* (Qum, Mas'isah Nahj al-Balaghah, 1414 AH), Hikmat 429.

سید محمد رضی، نہج البلاغۃ (قم، مؤسسہ نہج البلاغہ، 1414 ھ ق)، حکمت429۔

10. Sulaiman bin Ahmad, al-Tabarani, *al-Tafseer al-Kabeer: Tafsir al-Qur'an al-Azeem* (Jordan, Irbid, 2008), 312.

سلیمان بن احمد، طبرانی، *التفسیر الکبیر: تفسیر القرآن العظیم* (اردن، اربد، 2008)، 312۔

11. Muslim bin Hajjaj, *Sahih Muslim*, Vol. 3 (Cairo, Dar al-Hadith, 1412 AH), 1458, Hadith: # 1827.

مسلم بن حجاج، *صحیح مسلم*، ج3(قاہرہ، دار الحدیث، 1412 ھ ق)، 1458، رقم الحدیث 1827۔

12. Abdal Hamid bin Hibatullah, Ibn Abi al-Hadid, *Sharh Nahj al-Balaghah Ibn Abi al-Hadid*, Mohaqaq/Mashe: Ibrahim, Muhammad Abul Fazal, Vol.6 (Qum, Mataba Ayut Allah Maraghshi Najfi, 1404 AH), 322.

عبد الحمید بن ہبۃ اللہ، ابن ابی الحدید، *شرح نہج البلاغۃ لابن ابی الحدید*، محقق/ مصحح: ابراہیم، محمد ابوالفضل، ج6، (قم، مکتبہ آیت اللہ مرعشی نجفی، 1404ق)، 322۔

13. Syed Razi, *Nahj al-Balaghah*, Maktob 79.

سید رضی، *نہج البلاغۃ*، مکتوب 79۔

سیرت نگاری: آغاز سے ابان بن عثمان (متوفی: 170ق) تک

Biographical Writings: Since its Beginning to Abban bin Uthman (170 AH.)

Open Access Journal
Qtly. Noor-e-Marfat
eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nooremarfat.com
Note: All Copy Rights are Preserved.

Rasul Jafirian
University of Tehran, History of Islam Department, Tehran, Iran.
Website: https://www.rasul-jafarian.com/

Translation By:
Syed Abu Raza
Lecturar Jamia Al Raza, Bara Khau, Islamabad.
E-mail: Noor.marfat@gmail.com

Abstract:

This paper is a translation of the part of Ustad Rasool Jafarian's book "Political History of Islam- Biography of the Messenger of God (PBUH)" in which the author has presented a comprehensive research on a specific type of Muslim historiography, i.e. "Biography". The author has given an excellent and complete introduction to biography and biographers among Muslims. However, in order to avoid the length, in this paper, the translation of the writings of the above-mentioned book regarding biography and biography is being presented from the beginning of biography writing until Aban Ibn Uthman (died 170).

Ustad Rasool Jafarian claims that biography writings among Muslims were originally consisted of two parts: one, prophecy; Second, The battels (Ghazwat). The first part contained the living conditions of the Holy Prophet's ancestors and it was usually ended on the migration of Holy prophet. The second part of biography writings was consisted of the war and non-war events of Holy prophet at Madinah.

As far as the regular writings upon biography is concerned, according to the author, unlike the books of Hadith, there was no great restriction on it in the first ages of Islam.
Therefore, in the second century of Hijri, books were written on biographies, and in the same century, it became common to mention the name of the book in quoting the events of biographies and to quote directly from the author of the book in case of permission. In the first two centuries, Ibn Ishaq, Musa Ibn Uqbah and Aban Ibn Uthman left memorable biographical writings, the details of which are presented below.

Keywords: Biography, Muslim Biographers, Rasul Jafarian, Muhammad Ibn Ishaq, Musa Ibn Uqbah, Aba Ibn Uthman.

خلاصہ

یہ مقالہ استاد رسول جعفریان کی کتاب "تاریخ سیاسی اسلام- سیرتِ رسول خداﷺ" کے اُس حصے کا ترجمہ ہے جس میں مؤلفِ کتاب نے مسلمانوں کی تاریخ نگاری کی ایک مخصوص نوع یعنی "سیرت نگاری" پر بھی انتہائی جامع تحقیق پیش کی ہے۔ مؤلفِ کتاب نے اپنی کتاب کے اِس حصے میں مسلمانوں کے ہاں سیرت نگاری اور سیرت نگاروں کا بہترین اور مکمل تعارف کروایا ہے۔ تاہم طوالت سے بچنے کے لئے اس مقالے میں مسلمانوں کے ہاں سیرت نگاری کے آغاز سے ابان ابن عثمان (متوفی170) تک کے عمدہ سیرت نگاروں اور سیرت نگاری کے حوالے سے مذکورہ بالا کتاب کی نگارشات کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے۔
استاد رسول جعفریان مدعی ہیں کہ سیرت نگاری آغاز میں دو حصوں پر مشتمل تھی: ایک، نبوّت؛ دوسرا، غزوات۔ پہلے حصے کا آغاز پیغمبر اکرمﷺ کے آباء و اجداد کے حالات زندگی سے اور اختتام ہجرت پر ہوتا تھا۔ دوسرا حصہ غزوات اور مدینے کے جنگی و غیر جنگی واقعات مشتمل ہوتا تھا۔ جہاں تک سیرت نگاری کی باقاعدہ نگارش کا تعلق ہے تو مصنف کے مطابق، کتابتِ حدیث کے برعکس، سیرت نویسی پر صدرِ اسلام میں کوئی بڑی قدغن نہ تھی۔ لہٰذا دوسری صدی ہجری میں سیرت پر کتابیں لکھی گئیں اور اسی صدی میں سیرت کے واقعات کو نقل کرنے میں کتاب کا نام ذکر کرنے اور اجازۃَ نقل ہونے کی صورت میں کتاب کے مصنف سے براہِ راست مطالب نقل کرنے کا سلسلہ رائج ہوا۔ پہلی دو صدیوں میں ابن اسحاق، موسی بن عقبہ اور ابان ابن عثمان نے

سیرت نویسی میں یادگار نگارشات چھوڑیں جن کی تفصیلی روئیداد ذیل میں پیش کی گئ ہے۔

کلیدی کلمات: سیرت نویسی، سیرت نگاری، مسلمان سیرت نگار، رسول جعفریان، محمد ابن اسحاق، موسی بن عقبہ، ابان ابن عثمان۔

سیرت نگاری کاآغاز

جس وقت سے سیرت نگاری ایک مخصوص شعبے اور تاریخ نگاری کی خصوصیات کے ساتھ منظر عام پر آئی تو وہ دو بنیادی حصوں پر مشتمل تھی ایک نبوت اور دوسرا غزوات۔ پہلے حصے کا آغاز پیغمبر اکرم ﷺ کے آباء واجداد کے حالات زندگی سے ہوتا تھا اور ہجرت پر اس کا اختتام ہوتا تھا۔ دوسرا حصہ غزوات کے بارے میں ہوتا تھا جو مدینے کے دور کے جنگی و غیر جنگی واقعات مشتمل ہوتا تھا ابن اسحاق اپنے متعدد معاصرین کی طرح اھل کتاب کی تحریروں اور کتابوں نیز ان سے متاثر مسلمان مصنفین کے نگارشات سے استفادہ کرتے تھے۔ اس نے اپنی کتاب کی پہلی فصل کتاب المبتداء کو قرار دیا جو خلقت کی اور انبیاء کی حضرت محمد ﷺ تک کی تاریخ پر مشتمل تھی۔ [اس قسم کی فصل غالباً مسلمانوں کی تاریخی کتابوں میں ذکر ہوئی ہے؛ جیسا کہ طبری، یعقوب اور بہت سارے دیگر مورخین نے کتاب المبتدإ کو شروع میں ذکر کرنے کے بعد اسلامی دور کی تاریخ کو بیان کیا ہے] سیرہ ابن اسحاق، کی تہذیب کرنے والے ابن ہشام نے اس کی کتاب سے اس فصل کو حذف کردیا۔چونکہ سیرہ ابن اسحاق متفرق کاوشوں کا اختتام اور سیرت اور جامع کاموں میں دلچسپی رکھنے والوں کے لئے ایک ابتدائی کام تھا۔اس لئے ہمیں اس سے پہلے دور پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہے تاکہ ہم اس سیرت کے مقام وحیثیت کو جانچ سکیں اور اس کے موقف اور نقطہ نظر کو بہتر پہچان سکیں۔

پہلی اور دوسری صدی ہجری میں سیرت نگاری، تاریخ نگاری اور حدیث نویسی کے بارے میں پہلا سوال یہ ہے کہ کیا اس دور میں کوئی لکھی ہوئی تحریر تھی یا نہیں؟ اس سوال کا جواب کتابت حدیث کی تاریخ سے مربوط ہے کیونکہ ابتداء میں نبی کریم ﷺ کی احادیث اور آپ کی عملی زندگی پر توجہ سیرت کے پروان چڑھنے کا باعث بنی؛ اگرچہ کسی حد تک اس کا تاریخی پہلو حدیث سے آزاد تھا اور ہوسکتا ہے کہ سیرت کی طرف توجہ حدیث سے مربوط نہ ہو۔ جہاں تک حدیث کی کتابت اور نگارش کا تعلق ہے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کے لکھنے کا باقاعدہ آغاز دوسری صدی ہجری کے شروع میں ہوا، البتہ اس سے پہلے غیر سرکاری طور پر ان افراد نے اپنے طور پر حدیثوں کو لکھنا شروع کردیا تھا جو عمومی سیاسی ماحول اور فضا کے مخالف تھے۔ خلفاء میں سے سب سے پہلے جس نے حدیث لکھنے کا حکم دیا وہ عمر بن عبدالعزیز (م۱۰۱) تھے۔اس حکم کے بعد سب سے پہلے جس محدث نے حدیث کی کتابت کا

کام شروع کیا وہ ابن شہاب زہری (م ۱۲۴) تھے۔[1]

واضح امر ہے کہ حدیث مذہبی پہلو رکھنے کی وجہ سے محض بعض خلفاء کی بہانہ بازی کے سبب اس طرح کی مشکل (عدم کتابت) کا شکار ہوئی۔ تاریخ کا بھی جتنا تعلق حدیث سے تھا وہ بھی اس مشکل سے دوچار ہوئی۔ لیکن سیرت صرف حدیث سے عبارت نہ تھی بلکہ وہ تاریخی پہلوؤں کی حامل تھی اسی وجہ سے کتابت حدیث کی ممانعت کے زیر اثر مذہبی ماحول اور فضا نے اسے کم متاثر کیا اور یہ زیادہ مشکل میں مبتلا نہ ہوئی لہٰذا اخبار جاہلیت، انساب عرب اور حتی سیر الملوک جو کہ گویا انہی شعبوں کے بارے میں لکھی گئی تھی، جیسے موضوعات پر لکھنا ممکن ہوا۔

مسعودی نے اطلاع دی ہے کہ یہ سیر الملوک معاویہ، کے پاس مکتوب صورت میں موجود تھی اور ہر رات اسے پڑھ کر سنائی جاتی تھی۔[2] اسی بارے میں کچھ کتابوں کی نسبت اخبار جاہلیت عرب اور انساب کے ماہرین کی طرف دی گئی ہے جن میں عُبَید بن شریّہ اور چند دیگر افراد شامل ہیں۔[3] پہلی صدی کے نوشتوں کے بارے میں فیصلہ کرنے کو جس چیز نے دشوار بنا دیا ہے وہ یہ ہے کہ بعد کے راویوں جنہوں نے کبھی کبھار کچھ لکھا، نے یہ واضح نہیں کیا کہ انہوں نے پہلے راویوں سے زبانی طور پر نقل کیا ہے یا ان کی اجازت سے ان کی کتابوں سے استفادہ کیا۔ مثلاً جب ابن اسحاق، عروۃ بن زبیر سے نقل کرتے ہیں تو کیا اس نے زھری سے اور اس نے عروہ سے مذکورہ روایت کو زبانی سنا، یا اس نے عروہ کی کتاب سے زہری کے اجازہ روایت کی بنا پر اور اس نے اسی اجازہ کی بنا پر عروہ کی کتاب سے نقل کیا ہے؟

دوسری صدی اور اس کے بعد یہ معمول تھا کہ اجازہ نقل کی بنا پر وہ کسی کتاب سے بیان کرتے تھے البتہ صرف اجازت دینے والے اپنے شیخ (استاد) کا نام ذکر کرتے تھے اور اگر شیخ کتاب سے دیکھ کر پڑھتے تو وہ شیخ سے روایت کرتے اور اس کا نام سند میں ذکر کرتے تھے۔ یہ طریقہ کار ایک طویل عرصے تک جاری رہا یہاں تک کہ کتاب کا نام اور اس کے مصنف سے براہ راست نقل کرنا رائج ہو گیا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ مذکورہ روش پہلی اور دوسری صدی کے آغاز میں موجود تھی۔ یہ احتمال موجود ہے کہ زیادہ تر نقل موجود کتابوں سے لیا جاتا تھا تاہم یہ ممکن ہے کہ بعض قلیل موارد میں زبانی نقل و بیان بھی ہو۔

سوال یہ ہے کہ اگر پہلی صدی ہجری کی تصنیفات بہت زیادہ تھیں تو پھر ان کے بارے میں ہمیں مزید معلومات ملنی چاہیے تھیں۔ زبانی حوالہ جات قطعی ہیں، خاص طور پر ان معاملات میں جہاں عام لوگوں سے کسی واقعہ سے متعلق کچھ نقل کیا جاتا ہے۔ بہر حال اس دور کے نوشتوں اور تحریروں جنہیں کتابچوں اور فہرستوں کا نام دینا چاہیے، سے نقل و بیان دوسری صدی کے دوسرے نصف کے بعد کی تالیفات کی اساس و بنیاد تھا۔ Fuat Sezgin لکھتے ہیں:

"یہ واضح رہے کہ جب طبری اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں: «حدثنا ابن حمید، قال: حدثنا سلامة،

قال: حدثنا ابن اسحاق» تو اس نے یہ لفظ بلفظ ابن اسحاق کی کتاب مغازی سے لیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: مثال کے طور پر، ایک روایت کتاب الاغانی میں بیان ہوئی ہے کہ: «محمد بن حسن بن درید نے عمر بن شبہ سے اور اس نے ابو عبیدہ سے اور اس نے عوانة بن حکم۔۔۔سے بیان کیا ہے کہ ایسا ہے اور ویسا ہے»؛ اس صورت میں ہمیں قبول کرنا چاہیے کہ ان میں سے کسی ایک مصنف کی کتابیں ابوالفرج اصفہانی کی دسترس میں تھیں اور اس نے بعینہٖ اس کی عبارت کو نقل کیا ہے؛ ممکن ہے ابن درید کے پاس کوئی کتاب ہو یا اس نے عمر بن شبہ کی کتاب یا ابو عبیدہ (یہ دونوں عوانہ کی کتاب کے راوی ہیں) کی کتاب یا پھر عوانہ کی کتاب سے اس روایت کو لیا ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ اس روایت کا مأخذ عمر بن شبہ کی کتاب یا ابو عبیدہ یا پھر عوانہ کی کتاب تھی۔"[4]

جواد علی لکھتے ہیں: طبری نے تاریخی اخبار کو نقل کرنے کے لئے روائی طریقے کو انتخاب کیا ہے اور اس طریقے میں کتاب کے نام کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ اس طریقے میں کتاب کی جگہ راوی کا نام ذکر کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر وہ عمر بن شبّہ (م 262) سے نقل کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں:

"عمر نے دوسری مرتبہ مجھے اپنی کتاب سے بیان کیا جسے اہل بصرہ کی کتاب کہا جاتا ہے» یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس نے اس کی لکھی ہوئی کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ جواد علی مزید لکھتے ہیں: اس طریقہ کار میں مسئلہ یہ ہے کہ بہت سارے مقامات پر یہ واضح نہیں ہے کہ سند میں مذکور ناموں میں سے کس کی کتاب سے طبری نے نقل کیا ہے اور استفادہ کیا ہے۔"[5]

اس نکتہ پر توجہ بھی مفید ہے کہ صدر اسلام کے محدثین کے نوشتے اور تصنیفات دراصل حافظہ اور یادداشت کے معاون کے عنوان تھیں۔ ان نوشتوں کی کوئی خاص ترتیب وتدوین نہ تھی ان میں سے بیشتر ایک فہرست کی حد تک قابل اہمیت تھے۔ سیرت نگاری کے بارے میں بھی روایات موجود ہیں۔ ان میں سے ایک روایت زبیر بن بکر نے ابان بن عثمان بن عفان (متوفی 105-96) کی سیرت لکھنے کے بارے میں نقل کی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں:

"سلیمان بن عبد الملک نے مدینے میں سیرت پر ایک کتاب لکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ ابان نے کہا کہ اس نے پہلے ہی یہ کام انجام دے دیا ہے۔ سلیمان نے دس کاتبین کو حکم دیا کہ وہ اس کے نوشتے کی کاپیاں تیار کریں۔ لیکن چونکہ اس میں انصار کے فضائل موجود تھے اس لئے لکھنے کے بعد ان سب کو اس نے ضائع کرا دیا۔ اس نے کہا اگر اس کے باپ نے اجازت دی تو ابان کی کتاب کے دوبارہ قلمی نسخے تیار کرائے گا۔[6]

اس بیان کی صحت کا احتمال ہے البتہ اس دلیل کے پیش نظر کہ سیرت کے باب میں ابان کی کوئی زیادہ روایات موجود نہیں ہیں، ان کے نوشتے کو بہت محدود سمجھا جاسکتا ہے۔ بعض محققین نے اس دلیل کی بنا پر کہ طبری نے سہل بن ابی حَثمہ (تیسری صدی میں پیدا ہوئے) کی روایات سے استفادہ کیا ہے جو تحریری شکل میں اس کے پوتوں کے پاس تھیں، یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ غزوات پیغمبر ﷺ پر اس کے لکھنے کا ارادہ تھا اور اس نے کچھ لکھا بھی تھا۔ [7] [اصولی طور پر سزگین کا نظریہ یہ ہے کہ حدیث، تفسیر اور سیرت جیسے تمام اسلامی علوم میں پہلی صدی ہی سے مدوّن کتب موجود تھیں۔] [8]

اسی مؤلف نے یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ابن اسحاق کی بعض اسناد سے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے سیرت میں پہلے سے موجود کتابچوں سے فائدہ اٹھایا ہے۔ [9]

پہلی صدی میں سیرت نگاری کے بارے میں سب سے زیادہ مستند خبر یہ ہے کہ عروہ بن زبیر نے سیرت پر کتاب لکھی تھی۔ واقدی نے اسے مغازی کا سب سے پہلا مصنف قرار دیا ہے۔ [10] سیرت میں اس کی روایات اور حوالوں کی کثیر تعداد یہ ظاہر کرتی ہے کہ وہ ضبط تحریر میں لائے بغیر معلومات کے اتنے بڑے ذخیرے کو نہ یاد رکھ سکتا تھا اور نہ ہی دوسروں تک پہنچا سکتا تھا۔ ان تمام روایات کو محمد مصطفیٰ الاعظمی نے «مغازی رسول اللہ ﷺ لعروۃ بن زبیر بحوالہ ابوالاسود» نام کی کتاب میں جمع کیا ہے۔ جو ۱۴۰۱ ھ میں (مکتب التربیۃ العربی کی وساطت سے) چھپ کر منظر عام پر آچکی ہے۔ وہب بن منبہ کے بھی لکھے ہوئے کچھ اوراق دریافت ہوئے ہیں جن میں اس کے نواسے کے طریق سے مکی دور کی کچھ خبروں کے ساتھ غزوہ خثعم کے واقعات درج ہیں۔ [11]

دوسری صدی ہجری کے شروع میں باضابطہ سیرت نگاری کا آغاز ہوا۔ ابن شہاب زہری مدینے کے اہم ترین محدثین، فقہاء اور سیرت کے ماہرین کے مجموعہ کا ماحصل ہیں، طبری نے ان کے بارے میں لکھا ہے: کان مقدّما فی العلم بمغازی رسول اللہ "وہ رسول اللہ ﷺ کے غزوات کے علم میں سبقت رکھتا ہے۔ [12] امویوں سے تعلق کی بنا پر وہ شام چلا گیا اور سب سے زیادہ ہشام بن عبدالملک کی خدمت میں مصروف رہا۔ اس نے مغازی کی روایات عروۃ بن زبیر وغیرہ سے حاصل کیں اور بہت سارے افراد سے ان روایات کو بیان کیا۔ [13] گابے نے تصدیق کی ہے کہ مغازی کے بارے میں بعد میں لکھی جانے والی کتابوں کی اساس زہری ہیں۔ [14] سیرت کے باب میں زہری کی تمام روایات کو ابن شہاب زہری کے نام سے سہیل زکار نے جمع کیا ہے اور اسے المغازی النبویۃ کے عنوان کے تحت علیحدہ کتاب کی شکل میں شائع کیا ہے۔ [15] اس کتاب کا اصلی مواد عبد الرزاق بن ہمام صنعانی (م ۲۱۲) کی کتاب المصنف کے مغازی والے حصے سے لیا گیا ہے۔ حال ہی میں "مرویات الامام

الزہری فی المغازی "کے عنوان سے دو جلدیں، محمد بن محمد العواجی کی کاوشوں سے مدینہ یونیورسٹی (۱۴۲۵) کی طرف سے شائع ہوئی ہیں۔ بلا شبہ عروہ اور زہری کو سیرت کے اس اسلوب اور طرز کا بانی سمجھنا چاہیے جو مدینے کے مکتب میں پروان چڑھا اور اسی وجہ سے اس کا اپنا خاص مذہبی رنگ ہے۔

بہر حال، پہلی صدی ہجری میں، ابن اسحاق سے پہلے والی نسلوں میں کچھ محدثین نے حضرت محمد ﷺ کی سیرت مرتب کرنے کی کوششیں کی تھیں۔ لیکن چونکہ ان میں سے کسی نے اپنے کام کو اس طرح منظّم نہیں کیا تھا جیسا ابن اسحاق نے کیا تھا، لہٰذا انہیں زیادہ توجہ نہیں ملی ہے۔ سنی مؤرخین نے سیرت ابن اسحاق کو ایک بہترین نمونے کے طور پر قبول کیا ہے۔ انہوں نے بعد میں اور روایات کو اکٹھا کیا ہے لیکن ان کو زیادہ تر ابن اسحاق کی سیرت کے حواشی شمار کیا گیا ہے اور اس کی سیرت کی مرکزیت اسی طرح برقرار رہی ہے یہاں تک کہ شافعی نے لوگوں کو سیرت میں ابن اسحاق کا محتاج گردانا ہے۔[16]

ابن اسحاق سے قبل سیرت کے متعلق جن افراد کے پاس معلومات تھیں اور وہ اس میں شہرت رکھتے تھے ان کے ناموں کی فہرست ہرفٹس اور Fuat Sezgin نے یوں بیان کی ہے: سعید بن سعد بن عبادہ، سہل بن ابی حثمہ (م 41) سعید بن مسیب (م 94) عبد اللہ بن کعب (م 97) شعبی (م 103) ابان بن عثمان بن عفان (م 96-105) عروۃ بن زبیر (م 94) شُرَحبیل بن سعد (مُ 123) قاسم بن محمد بن ابی بکر (م 107) عاصم بن عمر بن قتادہ (م 120) محمد بن شہاب زہری (م 124) ابو اسحاق عمرو بن عبد اللہ ہمدانی (م 127) یعقوب بن عتبہ (م 128) عبد اللہ بن ابی بکر بن ۔۔۔ حزم (م 130) یزید بن رومان (م 130) ابو الاسود محمد بن عبد الرحمٰن اسدی (م 131) داود بن حسین (م 135) ابو المعتمد تیمی (م 143) موسی بن عُقبہ (م 141)۔[17] یہ عام طور پر دی جانے والی لسٹ ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ سیرت کے باب میں، ان میں سے ہر ایک کی خدمات اور کردار کے بارے میں الگ الگ علمی تحقیق کی ضرورت ہے۔

مدینہ میں سیرت النبیؐ کی تدوین

سیرت کے ابتدائی علم کے حوالے سے جن اہم امور کو جاننا چاہیے وہ یہ ہیں کہ آج جس کو ہم سیرت سمجھتے ہیں اور جو کچھ پیغمبر ﷺ کی تاریخ زندگی کے عنوان سے ہمارے پاس موجود ہے، وہ کس طرح اور کس کے ذریعے سے مرتب اور منظّم ہوا ہے؟ جو بات مسلم ہے وہ یہ ہے کہ ابن اسحاق نے اپنے علم کو مدینے سے حاصل کیا، اب دیکھنا یہ ہے کہ مدینے کے علماء اور راویوں نے ان معلومات کو کس مآخذ کی مدد سے جمع کیا۔

اس نکتے کو یاد رکھنا مفید ہے کہ تاریخ اسلام کے پورے دور میں اور پہلی صدی ہجری میں ہی ہر شہر کا ایک خاص مذہبی اور سیاسی رجحان اور میلان تھا؛ اس کا تعلق لوگوں کی اکثریت سے تھا خواہ حکومتی مزاج کے حامی تھے یا مخالف۔

فطری طور پر شہر کے علماء اور راوی بھی عموماً ان رجحانات اور میلانات سے متاثر تھے۔
تاریخ کے مطابق طویل عرصے تک شام کا چہرہ اموی تھا۔ کوفہ نے متعدد وجوہات کی بنا پر شیعہ رجحانات کو اپنے اندر پروان چڑھایا جبکہ بصرہ میں جنگ جمل میں شرکت اور کوفہ سے رقابت کی وجہ سے عثمانی ماحول تھا؛ لیکن مکہ اور مدینہ شیخین کا حامی و طرفدار تھا اور انہیں اپنے دینی اور سیاسی نقطہ نظر کی بنیاد سمجھتا تھا۔ چونکہ پیغمبر ﷺ کی رحلت کے بعد کچھ صحابہ دوسرے شہروں کی طرف ہجرت کر گئے اس لئے آہستہ آہستہ ہر شہر میں ایک خاص حدیثی مکتب وجود میں آیا۔ ہر مکتب کی خصوصیات کا انحصار صحابہ یا باثر صحابہ کے عقیدے و نظریات پر تھا جنھوں نے اس شہر میں سکونت اختیار کر لی تھی اور شاگردوں کی تربیت کی تھی۔ حضرت عائشہ، ابوہریرہ اور عبد اللہ بن عمر مدینہ میں اثر و نفوذ رکھتے تھے۔ اس کے بعد حضرت زید بن ثابت، انس بن مالک اور دیگر روایوں کا نمبر آتا تھا۔ امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام اور ابن مسعود کوفہ میں شہرت رکھتے تھے اور اسی طرح دوسرے شہروں میں کچھ اور افراد اثر و نفوذ کے حامل تھے۔ کچھ علاقوں میں موجود سیاسی رجحان اور فضاء صحابہ کی موجودگی سے بھی زیادہ طاقتور تھی جو ان شہروں میں مذہبی تعصّبات کو ہَوا دے رہی تھی۔

مدینہ، سیرت النبی کے علم کا سرچشمہ

شاکر مصطفیٰ نے سیرت کے مکاتب کو چھوٹے اور بڑے مکاتب میں تقسیم کیا ہے۔ اس نے سیرت کا پہلا اور ابتدائی مدرسہ یا مکتب اگرچہ چھوٹے پیمانے پر ہی سہی، شام کو قرار دیا ہے۔ اس نے اس بارے میں جو شواہد پیش کیے ہیں وہ اس کی بات کو ثابت نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر اس نے ابی عُیینہ سے نقل کیا ہے کہ: «من اراد المقاسم و امر الغزو، فعلیه باهل الشام»؛ اس نے اس بات کو شام میں سیرت کے وجود پر دلیل قرار دیا ہے درحالانکہ اس سے مراد جنگ کے فقہی احکام ہیں کیونکہ شام کے محاذوں پر مسلسل جنگوں کی وجہ سے اس علاقے میں زیادہ پیش آتے رہتے تھے۔ اسی طرح فتوحات شام کی اخبار کے شامی راویوں کے نام ذکر کر کے مغازی کو ثبت کرنے میں شام کی سبقت کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ برفرض اینکہ صحابہ و تابعین میں سے کچھ نے فتوحات شام کی روایات کو نقل کیا ہو، اس بات کا تعلق رسول اللہ ﷺ کے غزوات کے نقل کرنے سے نہیں ہے۔[18]
سیرت کے علماء کے پہلے گروہ کے ناموں پر نگاہ ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں سے اکثریت مدینہ کی تھی۔ سابقہ مذکورہ ناموں میں سے شعبی اور ابواسحاق سبیعی کا تعلق کوفہ سے تھا؛ ایک شخص کے علاوہ جس کا علاقہ معلوم نہیں ہو سکا باقی سب نے مدینے میں پرورش پائی تھی اور وہ اس شہر کے فکری ماحول سے متاثر تھے۔ دوسری طرف شام کے عوام کو مختلف وجوہات کی بنا پر رسول اللہ ﷺ کی سیرت پر کام کرنے سے منع کر دیا گیا

تھا۔ اس کی سب سے اہم وجہ یہ تھی کہ سیرت کے بیان سے اموی خاندان کی حقیقت عیاں ہو جاتی اور اموی اپنے پروپیگنڈے کے ذریعہ نبی اکرم ﷺ کے قریبی رشتہ داروں کے طور پر اپنی پہچان اور شناخت نہیں کرا سکتے تھے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ عبد الملک ابن مروان، حضرت عمر کی سیرت بیان کرنے کو بھی پسند نہیں کرتا تھا، کیوں کہ وہ انہیں حکمرانوں کے لئے باعث مشقت اور رعایا کے لئے فتنہ سمجھتا تھا۔[19] البتہ وقت گزرنے ساتھ شام میں ایسے محدثین پائے گئے جو غزوات کے متعلق روایات بیان کرتے تھے[20] لیکن ان کی تعداد اور حیثیت ایسی نہ تھی جو امویوں کے لئے کوئی مسئلہ بنا سکتی۔

زہری جس نے مدینہ سے تعلیم حاصل کی تھی، چالیس سال سے زائد عرصے تک یعنی، پہلی صدی کے آخری دو عشرے اور دوسری صدی کے تیسرے عشرے میں اپنی زندگی کے خاتمے تک شام اور مدینے کے درمیان آتا جاتا رہا۔ اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کا مغازی کے علم کی ترویج میں بہت زیادہ کردار ہے؛ طبیعی طور پر شام میں اس علم کو پہنچانے والوں میں وہ ایک ہونے چاہئیں۔ اس عرصے میں وہ اموی حکومت کے کام آتے رہے اور اس کی خدمت کرتے رہے، آگے چل کر اس پر ہم مزید بات کریں گے۔

سعید بن سعد بن عبادہ اور سہل بن ابی حثمہ دونوں مدنی اور انصاری تھے «زہری» نے سیرت میں بطور مرسل سہل بن ابی حثمہ سے روایات بیان کی ہیں۔ سعید بن مسیب مدینہ کے فقہا میں سے تھے اور ''عمر کے راوی'' کے طور پر مشہور تھے۔ زہری اور قتادہ اس کے تربیت یافتہ تھے۔ «عبید اللہ بن کعب بن مالک»، انصاری تھے۔ ابن اسحاق نے اس کی تعریف کی ہے اور اس سے مغازی کے باب میں روایات بھی نقل کی ہیں؛ جیسا کہ زہری نے بھی اس سے روایات لی ہیں۔

ابان بن عثمان بن عفان، سنہ 75 ہجری میں مدینہ کا والی تھا، اس نے حضرت عائشہ سے کافی نقل کیا ہے اور یہ سیرت کے علماء میں قدیمی ترین افراد میں سے ہے۔ ابن اسحاق نے سیرت کے باب میں اس سے روایات نقل کی ہیں۔[21] عروۃ بن زبیر اہم ترین مدنی راوی ہیں جس نے صحابہ کرام بالخصوص حضرت عائشہ سے بہت ساری روایات بیان کی ہیں۔ سیرت میں زہری اور خاندان زبیر کے موالی موسی بن عقبہ کا اہم ترین مصدر و منبع زبیر بن عروہ تھا۔ [22] اس کا بیٹا ہشام بن عروہ اس کی اخبار اور روایات کا راوی ہے اور اہل عراق اسے پسند نہیں کرتے تھے۔[23] اصولی طور پر سیرت کی روایات و اخبار کی تدوین میں خاندان زبیر کا بڑا اہم کردار ہے اور ان روایات کا بڑا حصہ حضرت عائشہ سے منقول تھا۔ قاسم بن محمد بن ابی بکر مدینہ کے فقہیوں اور زہری کے مشائخ میں سے تھے۔ عاصم بن عمر بن قتادہ، انصاری تھے۔ مغازی میں شہرت رکھتے تھے، ابن اسحاق نے اس سے روایات نقل کی ہیں۔ بعد میں وہ شام چلا گیا، عمر بن عبد العزیز نے اسے جامع مسجد اموی میں ''غزوات کے واقعات اور

صحابہ کے مناقب" بیان کرنے کا حکم دیا۔[24]
یعقوب بن عتبہ، مدنی اور زہری کے ہم عصر تھے اور مغازی کے بارے میں اچھی معلومات رکھنے والے شخص تھے۔ عبداللہ بن ابی بکر بن حزم مدنی تھے ابن اسحاق اور دیگر افراد کے لئے مغازی کی روایات کے راویوں میں سے تھے۔یزید بن رومان آل زبیر کے موالی اور مدنی تھے۔ اس نے مغازی کے متعلق ایک کتابچہ بھی لکھا جس کا انحصار عروہ اور زہری کی روایات پر تھا۔ ابوالاسود محمد بن عبدالرحمٰن اسدی، عروۃ بن زبیر کا سوتیلا بیٹا اور اس کا شاگرد تھا۔ موسی بن عُقبہ مغازی میں پیش رو تھے اور زہری کے شاگردوں میں سے تھے اور مدینے میں رہائش پذیر تھے۔ اس کی زیادہ تر علمی کاوشیں مغازی اور سیرت خلفاء کے متعلق تھیں اگرچہ اس نے سالوں کے لحاظ سے ایک تاریخ بھی لکھی ہے۔ سزگین نے تصدیق کی ہے کہ اس کی مغازی زہری پر انحصار کرتی ہے۔[25] یہ بھی آل زبیر کے موالیوں میں سے تھے۔[26] مالک بن انس، یحیٰ بن مَعین اور احمد بن حنبل لوگوں کو اس کی مغازی پڑھنے کی دعوت دیتے تھے۔[27]
مذکورہ بالا گفتگو کے آخری حصے سے جو نکتہ اخذ ہوتا ہے اور جس کی طرف ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں، وہ یہ ہے سیرت کی تشکیل میں "آل زبیر" کا بڑا ہاتھ ہے۔ ہارفٹس نے بھی اشارہ کیا ہے کہ ابن اسحاق نے زہری کے علاوہ آل زبیر سے وابستہ افراد سے بہت زیادہ نقل کیا ہے۔ اس نے عروہ کے موالی یزید بن رومان، ہشام بن عروہ، عروہ کے بھتیجے عمر بن عبد اللہ، اور اس کے ایک اور بھتیجے محمد بن جعفر اور اسی طرح یحیٰ بن عباد بن عبداللہ بن زبیر سے روایات بیان کی ہیں۔[28]

موسی بن عُقبہ (م 141)

موسی بن عقبۃ بن ابی عیاش قرشی علم مغازی کی ایک نمایاں شخصیت ہیں اس نے سنہ 68 ہجری میں، عبداللہ بن عمر کو دیکھا۔ اس لحاظ سے یہ اس وقت کم از کم نوجوان تھے یہ بھی آل زبیر کے موالی تھے اور خاندان زبیر کی مغازی میں دلچسپی کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ نکتہ دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔[29] یہ شخص ابن اسحاق کے ہم جماعت اور زہری کے شاگردوں میں سے تھے، لیکن ان سے ہٹ کر یہ جداگانہ طور پر البتہ تفصیل کے ساتھ مغازی کے کام کو مرتب کرنے میں مشغول رہے تاہم متعدد وجوہات کی بناء پر، جیسے عراق میں اس کی بروقت اشاعت نہ ہونا یا ابن اسحاق کے مقابلے میں تالیف کا کمزور ہونا، یا دوسری وجوہات کی بنا پر، شہرت حاصل نہ کر سکے۔ نویں صدی ہجری تک یہ کتاب دسترس میں تھی لیکن اس کے بعد اس کے صرف چند جملے ہی باقی رہ گئے ہیں۔
Fuat Sezgin نے لکھا ہے: اس کا بنیادی بھروسہ زہری پر ہے اگرچہ اس نے "حدثنی الزہری" کی اصطلاح کم استعمال کی ہے اور زیادہ تر "قال ابن شہاب" اور "زعم ابن شہاب" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ مالک بن انس

سے جب لوگ یہ سوال کرتے کہ ہم مغازی کو کہاں سے سیکھیں تو وہ جواب میں کہتے تھے کہ: "عليكم بمغازى موسى بن عقبة، فإنه ثقة" تم پر لازم ہے کہ موسی بن عقبہ کے مغازی پڑھو کیونکہ وہ ثقہ اور مورد اعتماد ہیں" وہ مزید لکھتے ہیں: وہ بڑھاپے کی عمر میں مغازی کی تلاش میں جاتے تاکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دینے والوں کے نام ریکارڈ کروائیں۔[30] مالک بن انس کی موسی بن عقبہ، کے مغازی پر توجہ ابن اسحاق پر اس کے عدم اعتماد سے غیر مربوط نہیں ہونی چاہیے۔ اس کے ایک عرصے بعد یحیٰ بن معین بھی کہتے تھے: کتاب موسی بن عقبہ عن الزہری اِصح الکتب۔ یعنی موسی بن عقبہ کی کتاب نقل از زہری سب کتابوں سے زیادہ صحیح ہے۔[31] یہ اس کے دیگر طرق حدیث کے قدح کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔ اس کی مغازی کی طرف توجہ کے حوالے جو واقعہ لکھا گیا ہے وہ سیرت نویسی کے متعلق بہت سارے نکات کو واضح کرتا ہے۔ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں: مدینہ منورہ میں شرحبیل بن سعد نام کا ایک بزرگ رہتا تھا جو مغازی کے بارے میں سب سے زیادہ علم رکھتا تھا، اس پر یہ الزام تھا کہ وہ بے کردار افراد کو صاحب کردار بنا دیتا ہے۔ اس وجہ سے اس کی مغازی لوگوں کی نظروں سے گر گئی۔ ابراہیم بن منذر کہتے ہیں:

میں نے یہ بات محمد بن طلحۃ ابن الطویل سے کہی، مدینے میں مغازی کے بارے میں اس سے زیادہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا: شرحبیل بن سعد مغازی کا عالم تھا اس پر یہ الزام لگایا کہ وہ بدر میں غیر موجود افراد کا ذکر بدری کے طور پر کرتا ہے۔ اسی طرح احد اور ہجرت میں موجود افراد کے بارے میں بھی۔ اسی وجہ سے لوگوں کا اس پر اعتماد ختم ہو گیا۔ جب موسی بن عقبہ نے یہ بات سنی تو اپنے بڑھاپے کے باوجود اس نے جنگ بدر، احد، ہجرت حبشہ اور مدینہ میں شریک افراد کی فہرست بنانے کا کام شروع کیا اور اس بارے میں کتاب لکھی۔[32]

یاقوت نے ابو نعیم اصفہانی کے قلم سے لکھی ہوئی مغازی موسی بن عقبہ سے استفادہ کیا ہے۔[33]

ابن شہبہ (م 789) کے تہذیب کردہ مغازی کے بعض حصوں کو، ساخو نے جرمن زبان میں ترجمہ کے ساتھ شائع کیا ہے۔ ابن عبد البر (م 463) کی کتاب "الدرر فى اختصار المغازى و السير" موسی بن عقبہ کے مغازی کی تلخیص ہے۔ اس کتاب کے بہت سے پیراگراف ابن حجر نے الاصابۃ میں ذکر کئے ہیں جن کے صفحات کی تعداد کو سزگین نے معین کیا ہے۔[34] اسی طرح اس کی عبارتوں کے بہت سارے حصے بیہقی (م 458) نے دلائل النبوۃ میں نقل کئے ہیں۔ دو افراد نے سیرہ موسی بن عقبہ کو علیحدہ شکل میں شائع کیا ہے۔ ان میں سے ایک جمشید احمد الندوی ہیں جس کی کتاب سنہ 1419 میں مراکش میں شائع ہوئی۔ اور دوسرے جناب مرادی نسب ہیں جنہوں نے مغازی موسیٰ بن عقبہ کو قم سے (1382 ش) میں شائع کیا۔

محمد بن اسحاق (81- 85/ 150- 151)

ابن اسحاق پہلی نسبتاً جامع سیرت کے مصنف ہیں جو اپنی منطقی ترتیب کی وجہ سے اس شعبے میں اولین اصلی کام کے طور پر جانی پہچانی جاتی ہے۔[35] وہ ایک آزاد شدہ (موالی) - عرب یا فارس - عراقی تھے جس کے باپ عیسائی تھے اور جن کے دادا یاسر عراقی جنگ عین التمر کے اسیر تھے۔ اس نے مدینے میں پرورش پائی اور آخر میں بغداد میں داعی اجل کو لبیک کہا اور اسے مقبرہ خیزران میں دفن کیا گیا۔ مدینہ منورہ کے علاوہ اس نے علم حدیث کا بہت بڑا حصہ دیگر علاقوں کے اپنے اساتذہ سے حاصل کیا، اس نے تیس سال کی عمر میں مصر کا سفر اختیار کیا، یزید بن ابی حبیب (م 127) جیسے عالم کی شاگردی کا شرف حاصل کیا اور سیرت کی روایات میں بھی اس سے کسب فیض کیا۔[36]
ابن اسحاق عباسیوں کی کامیابی کے بعد سنہ ۱۳۲ ہجری میں عراق گئے اور جب منصور حیرہ میں تھا، اس وقت اس نے اپنی کتاب مغازی تالیف کی اور اس وقت پہلے وہ کوفہ میں پھیلی اور پھر دیگر علاقوں میں پھیل گئی۔

درحقیقت، ابن اسحاق کی مدینہ سے عراق ہجرت نے سیرت کے علم جس کا مقام پیدائش مدینہ تھا، کو عالم اسلام کے سب سے اہم مقام، یعنی عراق میں منتقل کر دیا۔ ابن اسحاق نے ایک مرتب و منظّم سیرت چھوڑی ہے جس کا تاریخی رنگ اور نوعیت پورے طور پر واضح و آشکار ہے۔ اُس کے ایک رسالے کا عنوان "كتاب فيه ذكر من بعث رسول اللهﷺ الى البلدان و ملوك العرب و العجم و ما قال لاصحابه حين بعثهم" ذکر کیا گیا ہے۔[37] ان کی کتاب میں حضرت آدم علیہ السلام کی زندگی کے آغاز سے لے کر رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے آخر تک تاریخی اخبار و روایات شامل تھیں۔

ابن ہشام نے سیرہ ابن اسحاق، کی تہذیب کرتے ہوئے جس کو اس نے زائد جانا اور پیغمبر ﷺ کی زندگی سے غیر مربوط سمجھا، اسے حذف کر دیا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ابن اسحاق کی کتاب کی خصوصیت اس کا منظّم انداز ہے جو کہ صرف اس کے افکار کا نتیجہ نہیں ہو سکتا، بلکہ جیسا کہ بعض محققین نے لکھا ہے کہ مغازی کے ماسٹر مائنڈ اس کے استاد زہری اور پہلے کے دیگر مصنفین ہیں جو اس شعبے میں کام کر چکے تھے۔ البتہ یہ کہنا بھی بجا ہے جیسا کہ مسعودی نے بھی ذکر کیا ہے کہ اس پہلے اس طرح کی کوئی تصنیف یا مجموعہ موجود نہ تھا۔[38]

ابن اسحاق کی پرورش مدینہ میں ہوئی، اور اسی وجہ سے ان کی روایتوں میں بنیادی طور پر مدنی روایات ہیں اور چند مقامات پر مصری روایات شامل ہیں۔ اس کے برعکس اس کی کتاب کے تمام راوی عراقی ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ اس نے سیرت کا مسودہ مدینے میں لکھا اور ترتیب دیا جبکہ اس کی اشاعت عراق میں ہوئی۔ بنا برایں، اس بات کو نوٹ کرنا چاہیے کہ اس کا بیان اور نقل مدینے تک محدود ہے اور اس کی اپنی حدود و قیود تھیں۔ اس نے

اپنی سیرت کی کتاب، حیرہ میں منصور یا مہدی (جب وہ ولی عہد تھا) کو بطور تحفہ پیش کی۔ [39]
ابن اسحاق یہودی اور عیسائی راویوں سے متاثر تھے یا اہل کتاب سے مرعوب مسلمانوں کے زیر اثر تھے لہٰذا اس نے اپنی کتاب کا ابتدائی حصہ ''ابتداء خلقت و تاریخ انبیاء و بادشاہان'' ان کے ذرائع اور اہل کتاب کے مآخذ سے مواد لے کر تحریر کیا جسے بعد میں ابن ہشام نے حذف کر دیا۔ [مقدسی کا کہنا ہے کہ ابن اسحاق کی کتاب "المبتداء" اپنی نوعیت کی پہلی کتاب تھی۔] [40]
علاوہ ازیں، اسلام سے پہلے کے عربوں کے بارے میں اس کی اطلاعات حجاز میں موجود داستانی ذرائع سے لی گئیں تھیں اور ان کا داستانی رنگ پورے طور پر نظر آتا ہے۔ ابن اسحاق کا اسلوب اگرچہ حدیث والا ہے تاہم اس نے تمام جگہوں پر اسناد کا تذکرہ نہیں کیا صرف ہجرت کے بعد سے مربوط زیادہ تر روایتوں کی سند کو بیان کیا ہے۔ اس سے پہلے کے عناوین قصے کی اصطلاحات کے ساتھ شروع ہوتے ہیں۔
مبہم الفاظ کا استعمال جیسے اہل علم نے مجھ سے بیان کیا ہے یا ان کا خیال ہے یا «اللہ اعلم» کے جملے کے ذریعے شک و تردید کا اظہار یہ بتاتا ہے کہ اسے اپنے تاریخی کام کو مکمل کرنے کے لئے اپنے اطراف میں موجود تمام ذرائع سے استفادہ کرنے کی ضرورت تھی۔ البتہ یہ طریقہ ایک محدث کا طریقہ کار نہیں ہے بلکہ ایک تاریخ نویس کی روش ہے جب اسے اپنی تاریخی بحث کے خاکے کو مکمل کرنے کے لئے مصادر اور وسائل کی کمی کا سامنا ہوتا ہے تو وہ ہر قسم کے ثبوت اور حوالے کو بروئے کار لاتا ہے۔ انہی میں اشعار اور نظمیں ہیں جن کی صحت کے بارے میں بہت سارے پرانے اور نئے افراد نے شک و شبہ کا اظہار کیا ہے۔ [41] ابن ہشام نے ان میں سے بہت ساری نظموں اور اشعار کو خارج کر دیا، لہٰذا یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ابن ہشام کی سیرت میں ابن اسحاق کے اصل نسخے میں موجود اشعار کا پانچواں حصہ ہے۔ [42] دوسری طرف اس نے قرآن سے بھی بھرپور استفادہ کیا ہے اور ہر باب میں شأن نزول کی روایات بیان کی ہیں۔
ابن اسحاق کی وثاقت یا عدم وثاقت کا معاملہ، اپنی نوعیت کا سب سے متنازعہ رجالی مسئلہ ہے۔ اس کی کئی وجوہات میں سے ایک رقابت ہو سکتی ہے، جس وقت ابن اسحاق مدینہ میں تھا، اس کا مدینے کے دو محدثین اور فقہاء ایک مالک بن انس اور دوسرے ہشام بن عروہ سے ٹکراو ہوا۔ [43] اسی وجہ سے اس پر مختلف قسم کے الزامات لگائے گئے جن میں شیعہ اور قدریہ ہونا بھی تھے۔ [44] اس کے بعد رجال کی کتابوں میں اس کے متعلق مختلف قسم کی کہانیاں بیان ہوئیں اور متضاد آراء نقل کی گئیں۔ ابن حبان نے الثقات میں اور ابن سیدالناس نے اس کا بھرپور دفاع اور حمایت کی ہے۔ [45]
یہ بات کہنی بجا ہے کہ موجودہ تشیع کی اصطلاح کے معنوں میں اس پر یہ الزام درست نہیں ہے اور شاید اس پر

شیعہ ہونے کا الزام لگنے کی وجہ بعض فضائل (اہل بیت) کا بیان کرنا ہو (جن میں سے بہت ساروں کو ابن ہشام نے موجودہ سیرت کی کتاب میں حذف کر دیا ہے ان میں سے ایک روایت «روایت انذار عشیرہ» بھی ہے، البتہ طبری نے اسے ابن اسحاق کے طریق سے بیان کیا ہے)۔ اس کا معنی صرف اہل بیت علیہم السلام سے دوستی ہو سکتا ہے جو کسی طور پر بھی عثمانی مذہب کے لئے قابل قبول نہ تھا، جس کی شام اور مدینے پر حکمرانی تھی۔ ہم نے ایک اور مقام پر اس گروہ کو عراقی شیعہ کا عنوان دیا ہے البتہ ان کے درجات مختلف ہیں۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ابن اسحاق نے حضرت علی علیہ السلام کے بہت سے فضائل اپنی کتاب سیرت میں نقل کئے ہیں۔ بہت سارے دوسروں نے اسے روایات کے نقل میں موثق اور قابل اعتماد جانا ہے نہ کہ حلال و حرام میں۔[46]

اس قسم کے اظہار نظر اور تبصرے، اسلاف کی تاریخی روایات کے نقل و بیان میں رواداری کو ظاہر کرتے ہیں۔ طبری جس نے سیرت کی روایات اور اس کے بعد کی روایات کا ایک بڑا حصہ ابن اسحاق کی کتابوں سے لیا ہے، نے اس کے کارناموں کی تعریف کرتے ہوئے اسے موثق اور مستند گردانا ہے۔[47] دوسری طرف، ابن ندیم، جن کا شیعیت کی طرف جھکاؤ بالکل واضح ہے، نے ابن اسحاق پر سخت حملہ کیا اور اس پر متعدد الزامات لگائے جیسے: یہودیوں کا اس پر اثر و رسوخ، علماء حدیث کی طرف سے اس کی تضعیف[48]، اشعار گھڑنا اور انہیں سیرت میں درج کرنا وغیرہ، یہاں تک کہ اس نے اخلاقی تہمتوں کو بھی اس سے منسوب کیا ہے۔[49] زہری جو کہ ابن اسحاق کے اساتذہ میں سے ہے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ: جب تک یہ احول۔ یعنی ابن اسحاق۔ اس ملک میں ہے علم و دانش باقی ہے۔[50] اور شعبہ کہتا تھا: اگر میرا بس چلتا تو میں ابن اسحاق کو تمام محدثین پر حاکم بنا دیتا۔[51] ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ علم مغازی کی نشو و نما مدینے میں ہوئی ہے۔

Carl Brocklemann نے بھی لکھا ہے کہ ابن اسحاق کی تمام احادیث اہل مدینہ کی طرف پلٹتی ہیں۔[52] تاہم، اس بات کا امکان ہے کہ ابن اسحاق نے صرف مذکورہ افراد سے احادیث نقل نہ کی ہوں بلکہ عام و غیر معروف افراد جن کا کسی نہ کسی طرح سے رسول اللہ ﷺ کے دور کے واقعات سے تعلق تھا، سے بھی بیان کی ہوں، البتہ کوئی بھی صورت ہو، اس کے کام کی بنیاد اس کا خاص نقطہ نظر ہے جس نے ان روایات کو شکل و صورت دی؛ اس نکتے کہ ان افراد کا کام نقد و نظر اور عبارت میں ردوبدل کے بغیر صرف نقل کرنا تھا، پر غور کرنے سے ابتدائی راویوں کے کردار کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ یہاں پر ابن اسحاق کی اسناد کی چند مثالیں مطلب کو واضح کرنے کے لئے کافی ہیں:

«حدثنی صالح بن کیسان عن عروة بن زبیر عن عایشه»؛ «حدثنی عاصم بن قتاده، ذکر الزهری عن عروة بن زبیر عن عایشه»؛ «حدثنی یحیی بن عروة بن زبیر عن ابیه عروة»؛

«حدثنی محمد بن عبد الله عن عامر بن زید، عن بعض اهله»؛ «حدثنی نافع مولی عبد الله بن عمر عن ابن عمر»؛ «حدثنی عبد الرحمن بن الحارث عن بعض آل عمر او بعض اهله»۔

ابن اسحاق نے چند مقامات پر امام باقر علیہ السلام سے یا پھر زہری کے ذریعے امام سجاد علیہ السلام سے محدود تعداد میں روایات نقل کی ہیں۔ معمر بن راشد (م 154) جس کا مغازی کی نگارش میں کچھ عمل دخل تھا، نے زیادہ تر زہری سے روایت بیان کی ہیں۔[53] علم تاریخ عرب کے بارے میں ڈوری نے اپنی تحقیقات کے دوران یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ زہری مکتب مدینہ کا بانی تھا اور موسیٰ بن عقبہ اور ابن سحاق دونوں اس کے شاگرد تھے۔ اس کے بقول موسیٰ بن عقبہ نے اپنے استاد زہری کے کام پر انحصار کیا البتہ کچھ اضافے بھی کئے[54] اور یہی حال ابن اسحاق کا بھی ہے۔

گابے نے واضح کہا ہے کہ دوسری صدی ہجری سے پہلے سیرت مدینے سے ہی مخصوص تھی۔[55] ابن اسحاق نے اپنی سیرت کی کتاب کا مواد مدینہ میں اکٹھا کیا اور بعد میں شاید عراق میں اس کو مرتب کیا۔ مدینہ میں اس کا مالک بن انس اور ہشام بن عروہ سے جھگڑا ہوا اور خاص طور پر مالک کے علم کی تضحیک کی وجہ سے،[56] اسے مدینہ چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۔[57] اس کی کتاب سیرت کی اشاعت عراق میں ہوئی۔ ابن سعد کے مطابق، اس نے کوفہ میں اپنی سیرت کی قرات کی، اور پھر جزیرے اور رے شہر میں اپنی سیرت پڑھ کر سنائی۔[58]

ابن اسحاق نے اپنی زندگی کے آخری بیس سال بنی عباس کے دور میں گزارے اور کہا گیا ہے کہ اس نے اپنی کتاب سیرت، منصور یا مہدی عباسی (جب وہ ولی عہد تھا) کی خدمت میں پیش کی، اسی وجہ سے عباس بن عبدالمطلب سے متعلق باتوں پر اسے جزوی طور پر نظر ثانی کرنا پڑی ہو گی۔[59] ابن اسحاق کا تیار کردہ متن مکمل طور پر ہم تک نہیں پہنچا اور صرف اس کی عبد الملک ابن ہشام (متوفی 213 یا 218) کی تصحیح ہمارے لئے دستیاب ہے۔ جیسا کہ اس نے کتاب کے مقدمے میں ذکر کیا ہے کہ اس نے جن مطالب کو آنحضرت محمد ﷺ سے غیر متعلق پایا، انہیں حذف کر دیا۔ نیز بعض اشعار[60] کو اور جسے اس نے قبیح اور برا سمجھا اسے چھوڑ دیا۔ اس بارے میں اختلاف رائے موجود ہے کہ ابن ہشام نے اہم اور مفید مطالب کو حذف کیا ہے یا نہیں[61] اس کے ساتھ ہی ہمیں اس لحاظ سے ابن ہشام کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ موجودہ سیرت میں ابن اسحاق کی باتوں اور الفاظ کی تشخیص دینا ممکن ہے اور ابن ہشام کے اضافات خود اس کے نام سے واضح ہیں۔

ابن ہشام کی تصحیح و تہذیب سیرہ ابن ہشام کے نام سے مشہور ہو گئی، ابتداء ہی سے اس سے استفادہ کیا جانے لگا۔ یعقوبی نے اسی روایت سے استفادہ کیا ہے۔ عبدالرحمان سہیلی (508- 581) کی کتاب ''الروض الانف'' سیرہ ابن ہشام کی مفصل شرح ہے جو شائع ہو چکی ہے۔ سہیلی یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کا مقصد سیرہ ابن اسحاق کی شرح کرنا ہے جس کی ابن ہشام نے تہذیب اور تلخیص کی ہے، اس کی بنا غیر مانوس الفاظ، پیچیدہ جملات اور مشکل

انساب کی تشریح کرنا ہے نیز ادھورے اور ناقص چیزوں کی تکمیل کرنا ہے۔اس کتاب کی تصحیح عبدالرحمٰن وکیل نے کی ہے اور مصر میں چھپ چکی ہے اور سنہ ۱۴۱۲ھ میں بیروت میں آفسٹ ہوئی ہے۔ابوذر بن محمد بن مسعود خُشَنی (533- 604) نے بھی سیرہ ابن ہشام کی ایک جلد پر مشتمل ادبی شرح لکھی ہے۔[62]

ابن ہشام نے زیاد ابن عبداللہ بکائی (متوفی 183) کے ذریعہ جو روایت کی ہے، اس کے علاوہ طبری نے ابن اسحاق کی سیرت سے محمد ابن حامد رازی اور اس نے سلمہ بن فضل کے ذریعہ سے بھی بہت ساری روایات نقل کی ہیں۔ سلمہ نے ابن اسحاق کے اصل متن سے استفادہ کیا جو اس نے منصور کے لئے تیار کیا تھا۔[63] ابن اسحاق کی کتاب کا ایک اور راوی یونس بن بکیر ہے جس سے ابن اثیر نے اسدالغابہ میں فائدہ اٹھایا ہے اور حال ہی میں اس کا ایک حصہ مراکش میں پایا گیا ہے، جس کی پہلے تصحیح "محمد حمید اللہ" نے کی اور بعد میں "سہیل زکار" نے کی ہے اور اسے دونوں نے الگ الگ شائع کیا ہے۔ اس حصے کے راوی یونس بن بکیر نے دوسروں کی کچھ روایتوں کو ابن اسحاق کی سیرت کے ساتھ شامل کیا ہے۔[64]

سیرہ ابن اسحاق کی بنیادی کمزوری کے علاوہ، جو مدینہ کی روایات پر انحصار اور محض اسی نظریہ کی عکاسی ہے، اس سیرت میں اندرونی نظم و ترتیب کے لحاظ سے اور ایک تاریخی متن کی حیثیت سے کافی طاقت ہے۔ تاریخ نگاری کی محدود تاریخ کے پیش نظر، ابن اسحاق کے کام کو اسلامی تاریخ نگاری کی ترقی میں ایک سنگ میل سمجھا جانا چاہئے۔ انہوں نے تاریخی خبروں کو خصوصی نظم دیا ہے اور خبروں کو پیش کرنے میں تاریخی ذہنیت کا باریکی سے استعمال کیا ہے۔

گابے کے بقول، اس نے صرف نبی اکرم ﷺ کی تاریخ ہی نہیں لکھی، بلکہ نبوت کی بھی تاریخ لکھی ہے۔[65] ابن اسحاق کو سیرت کی روایات کا پہلا تجزیہ کار بھی سمجھا جانا چاہئے۔ وہ بہت سارے موضوعات کے آغاز میں ایک قسم کا تجزیاتی نتیجہ پیش کرتا ہے۔ تاہم ، ابن اسحاق کے مآخذ اور حوالوں کی وجہ سے اس کی سیرت میں بہت سی خامیاں اور غلطیاں ہیں۔ سیرت کی مذکورہ کتاب، سیرت کی روایات کے صرف ایک حصے کی عکاسی کرتی ہے، کیونکہ دیگر شہروں میں موجود روایات اور ان شہروں کی طرف جانے والے صحابہ کے پاس سیرت کے بارے میں جو روایات تھیں وہ ابن اسحاق کی دسترس میں نہیں تھیں۔ مزید یہ کہ بعد میں واقدی اور بعض دوسروں نے ابتدائی اور اصلی مآخذ میں تحقیق کر کے بہت ساری نئی باتوں کا سیرت کے باب میں اضافہ کیا ہے جن پر محققین کو توجہ دینے اور غور و خوض کرنے کی ضرورت ہے۔ ابن اسحاق کے بعد، سیرت کی اخبار و روایات پر تحقیق کا کام جاری و ساری رہا۔ بہت سے محدثین اور راوی ان روایات و اخبار کو جمع کرنے میں مصروف ہو گئے جن میں سے صرف مشہور افراد کے نوشتے باقی رہ گئے ہیں۔

ساتویں صدی میں سیرہ ابن اسحاق، کا شرف الدین محمد بن عبداللہ بن عمر کے قلم سے فارسی ترجمہ اور تلخیص عمل میں آئی ہے۔ یہ کتاب سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے اصغر مہدوی اور مہدی قمی نژاد کے ذریعے سیرت نگاری اور سیرہ ابن اسحاق کے بارے میں تفصیلی مقدمے کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔[66] اس کا ایک اور ترجمہ سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عنوان سے ساتویں صدی کے عالم رفیع الدین اسحاق بن محمد ہمدانی کے ہاتھوں سے ہوا، یہ ترجمہ بھی چھپ چکا ہے۔[67] ابن اسحاق کی ایک اور چھوٹی کتاب اخبار الخلفاء ہے اور اس کی عبارتیں اور حوالے موجود ہیں۔[68] یہ بات قابل ذکر ہے کہ خلیفہ بن خیاط، نے ردہ کے واقعات اور اس کی فتوحات سے متعلق اخبار کو ابن اسحاق سے لیا ہے جو کہ اس کی کتاب اخبار الخلفاء ہی ہو سکتی ہے۔[69]

ابان بن عثمان بجلی (م ح 170)

بہت سے مصادر میں اسے ابان بن عثمان الاحمر البجلی کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ شیعہ مآخذ میں آیا ہے کہ وہ قبیلہ بَجیلہ کے موالی تھے۔ قبیلہ بجیلہ ایک قحطانی قبیلہ جانا جاتا ہے جو شیعہ رجحان رکھتا تھا۔ چند مقامات پر اس کا ذکر ابان الأعرج کے عنوان سے کیا گیا ہے۔[70] اس نکتہ پر توجہ ضروری ہے کہ ابان ابن عثمان الاحمر کے علاوہ ابان ابن عثمان ابن عفان نامی ایک اور شخص ہے جو تیسرے خلیفہ کا بیٹا تھا۔ اور اس بات کے علاوہ کہ اس نے کئی سال تک مدینہ پر حکمرانی کی ہے، یہ بھی دعوی کیا جاتا ہے کہ سیرہ نبوی کی روایات کے نقل کرنے میں بھی ان کا ہاتھ تھا۔ فقط نام کی مماثلت کے سبب کچھ لوگوں نے غلطی سے ابان امامیہ کی جگہ پر عثمان بن عفان کے بیٹے کو بدل دیا ہے۔

مثال کے طور پر Fuat Sezgin نے پہلے دور کے سیرت نگاروں کے تذکرے میں ابان بن عثمان بن عفان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کی نقل شدہ روایات تاریخ یعقوبی میں آئی ہیں۔[71] حالانکہ تاریخ یعقوبی میں جس شخص سے منقول ہے وہ ابان بن عثمان الاحمر ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یعقوبی نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی روایات کے راوی ہیں۔ فطری بات ہے کہ تیسرے خلیفہ کا بیٹا جو جنگ جمل میں حضرت عائشہ کے ساتھ تھا، کی عمر اتنی زیادہ نہیں ہو سکتی کہ وہ امام صادق علیہ السلام سے روایات نقل کرئے۔ اس کے علاوہ، شیعہ حدیث کے منابع و مصادر اور ابان کی احادیث سے ایک مختصر واقفیت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت بڑا اشتباہ اور غلطی ہے۔

ابان کا شمار اصحاب اجماع میں ہوتا ہے، «اجمعت العصابة علی تصحیح ما یصح عنهم» وہ افراد جن کی طرف انتساب کی صحت درست ہو اور اس میں شک نہ کیا جا سکتا ہو۔ یہ چیز ابان بن عثمان کے اعلیٰ علمی مقام اور اس پر اعتماد کے اعلیٰ مرتبہ کا بہترین ثبوت ہے۔ ابان خود امام صادق علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے اور ان سے براہ راست بہت زیادہ احادیث نقل کی ہیں۔ اس کے ساتھ اس نے امام محمد باقر اور صادق علیہما السلام کے

بعض جلیل القدر اصحاب کے سامنے بھی زانو تلمذ تہ کیا ہے اور ان کے واسطے سے مذکورہ دو عظیم اماموں سے بے شمار روایات نقل کی ہیں۔ شاید یہ اس بات کی دلیل ہو کہ امام صادق علیہ السلام کے اصحاب میں اس کا شمار جوان اصحاب میں ہوتا تھا۔

تربیت یافتہ شاگردوں کی ایک بڑی تعداد کے علاوہ اس کی دو کتابیں بھی تھیں۔ ایک تو اس کی سیرت کی کتاب ہے جس پر ہم مزید گفتگو کریں گے، دوسری اس کی «اصل» ہے جس کا شیخ نے مختصر طور پر ذکر کیا ہے، یقیناً اس میں فقہی اور اعتقادی احادیث کی تعداد بہت زیادہ ہے جن تک اس کی رسائی شاگردوں کے ذریعے اسی طریق سے حدیث کے منابع تک ہوئی ہے۔ ان کے ایک اہم ترین شاگرد ابن ابی عمیر ہیں کہ ابان اس کے بڑے مشایخ میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے کچھ اور روات درج ذیل ہیں:

محمد بن زیاد بیاع، محمد بن زیاد ازدی، حماد بن عیسی، حسن بن علی بن فضال، احمد بن محمد بن ابی نصر بزنطی، علی بن مہزیار، محمد بن ولید صیرفی، عبد اللہ بن حماد انصاری، حسن بن علی الوشاء، محمد بن خالد برقی، حسن بن محبوب، یونس بن عبد الرحمان ابراہیم بن ابی البلاد، فضالۃ بن ایوب ازدی، محمد بن سنان اور علی بن حکم۔ ابان فقہ اور شیعہ کلام کے علاوہ، اخبار شعرا، ایام العرب اور انساب کا علم بھی رکھتے تھے۔ رسول خداﷺ کی سیرت میں اس کی مہارت اور تجربہ اس کے ان شعبوں میں علمی صلاحیتوں کا مرہون منت ہے۔ ان افراد کو اس زمانے کی اصطلاح میں اخباری کہا جاتا تھا۔ اس شعبے میں اس کے نامور اور ممتاز شاگرد وجود میں آئے۔

شیخ طوسی اور نجاشی نے لکھا ہے کہ ابان نے زندگی کا کچھ عرصہ کوفہ میں اور کچھ بصرہ میں گذارا۔ اسی وجہ سے بصرہ میں ابوعبیدہ معمر بن مثنی اور محمد بن سلّام جمحی جیسے افراد نے اس سے «اِخبار الشعراء والنسب والأیام» کو سنا ہے۔ علامہ تستری نے لکھا ہے: اور رہی بات ابو عبداللہ محمد بن سلام کی، جس کے بارے میں فہرست اور نجاشی نے کہا ہے کہ: «یہ اس نے ابان سے اخذ کیا ہے»، میں اس کو نہیں جانتا ہوں جو شخص معروف ہے وہ ابو عبید قاسم بن سلام ہے، اور محمد بن سلام کا تذکرہ اپنے مقام پر ہو گا لیکن یہ بعد کے دور کے ہیں۔ حموی نے اس کے بارے کہا ہے: اس کی وفات سنۃ ۲۳۲ ہجری میں ہوئی پس اس صورت میں اس کا امام صادق علیہ السلام کے اصحاب سے اخذ کرنا بعید ہے۔

یہ واضح طور پر کہنا چاہئے کہ محمد بن سلام اور ابوعبیدہ معمر بن مثنی کا ابان کی شاگردی اختیار کرنا، اس حقیقت کے باوجود کہ وہ دونوں دوسری اور تیسری صدی ہجری کی ممتاز ادبی شخصیات ہیں، یہ اس زمانے میں ابان کے اعلی علمی رتبے کی علامت ہے۔ لہٰذا، ہمیں اسے صرف فقہی روایات کا راوی نہیں سمجھنا چاہئے، بلکہ اسے ایک ممتاز اسکالر، باثر مصنف اور ایام عرب اور اس کی روایات کے بارے میں گہری واقفیت رکھنے والا مؤرخ جاننا چاہیے۔

سیرت سے متعلق ابان سے موصول ہونے والی روایات اور حوالوں کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ بات کہنی چاہیے کہ ابان کی کتاب ابتدا ہی سے کچھ محدثین اور اخباریوں (مؤرخین کے معنی میں) کی دسترس میں تھی، تاہم بہت ساری شیعہ کتابوں کی طرح، ان کے محدود استعمال اور ان سے کم استفادہ کی وجہ سے پہلے والی کتابوں میں ان کا ذکر بہت ہی کم آیا ہے، اتنا کم کہ ابن ندیم (اس کی باقی ماندہ کتاب کے مطابق) نے اس کی کتاب مغازی کا نام لیا ہے اور نہ ہی خود اس کا تذکرہ کیا ہے۔ البتہ شیخ طوسی نے امامیہ کے علمی کارناموں کو متعارف کرانے کے لئے لکھی جانے والی اپنی کتاب فہرست میں ان کی کتاب کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے ان کی صرف اسی کتاب کا ذکر کیا ہے البتہ انہوں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس کی ایک «اصل» بھی تھی۔ ابان کی کتاب کے بارے میں شیخ کے الفاظ یوں ہیں: و ما عرف من مصنفاته الّا كتابه الّذى يجمع «المبدأ و المبعث و المغازى و الوفاة و السقيفة و الردّة»۔ اس کی ایک کتاب کے علاوہ کوئی اور کتاب ہمارے علم میں نہیں ہے، جس میں اس نے ابتدائے خلقت۔ بعثت، مغازی، وفات، سقیفہ اور ردہ کو اکٹھا کیا ہے۔

درحقیقت، اس کتاب کے چند حصے تھے ان میں سے ہر ایک کو کتاب کا عنوان دیا گیا، لیکن جیسا کہ شیخ نے وضاحت کی ہے کہ یہ سب ایک ہی کتاب ہے۔ شیخ طوسی نے اس کتاب کے بارے میں اپنے متعدد طرق و اسناد کو بیان کیا ہے اور پھر مزید کہا ہے کہ: اس کتاب کا ایک اور نسخہ بھی ہے جو اس سے چھوٹا ہے جسے قمیوں نے روایت کیا ہے۔[72] ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ کتاب علی بن ابراہیم قمی کے پاس تھی اور اس نے تفسیر میں بار بار اس کے حوالے دیئے ہیں اور اس سے نقل کیا ہے۔

نجاشی بھی اس کتاب کے متعلق معلومات رکھتے تھے۔ انہوں نے لکھا ہے: لہ کتاب حسن کبیر یجمع المبتدا و المغازی والوفاۃ والردۃ۔[73] اس کی ضخیم اور بڑی اچھی کتاب ہے جس میں اس نے مبتداء، مغازی، وفات اور ردہ کو ایک ساتھ جمع کیا ہے۔ یاقوت نے اس کتاب کے بارے میں اسی جملے کو دہرایا ہے لیکن اس بارے میں اس نے کوئی اشارہ نہیں کیا کہ خود اس نے اس کتاب کو دیکھا ہے یا نہیں۔[74]

وہ اکیلا شخص جس نے ابان کی کتاب سے وسیع طور پر استفادہ کیا ہے اور اس سے استفادہ کرنے کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے وہ شیخ طبرسی ہیں۔ دوسروں نے بھی ان کی کتاب سے فائدہ اٹھایا ہے، انہوں نے روایت کو اپنے مشائخ کے ذریعے ابان تک پہنچایا ہے لیکن کتاب کا نام بالکل نہیں لیا ہے۔ عام تاریخ کے پہلے دور تدوین کے ایک اور مؤرخ جس نے اس کتاب سے استفادہ کرنے کا اعتراف کیا ہے وہ احمد بن محمد بن واضح یعقوبی ہیں۔ ان کا شمار ان مورخین میں سے ہوتا ہے جنہوں نے تاریخ کو بصورت حدیث (یعنی بہ طور مسند) بیان نہیں کیا بلکہ سند کو ذکر کئے بغیر روایات اور واقعات کو پیش کیا۔ تاہم اس نے دوسری جلد کی ابتداء میں اپنے مآخذ کی مجموعی فہرست پیش کی ہے۔

اس فہرست میں ابان کا نام بھی دکھائی دیتا ہے، وہ لکھتا ہے: و کان من رُوینا عنه ما فی هذا الکتاب --- ابان بن عثمان عن جعفر بن محمد علیهما السلام۔ اس کتاب میں جن سے میں نے روایات لی ہیں ان میں ابان بن عثمان از جعفر بن محمد علیہما السلام ہیں۔ اس سے پہلے ہم نے کہا ہے کہ Fuat Sezgin نے مستند بات کی ہے کہ ابان بن عثمان بن عفان کی سیرت پر ایک کتاب تھی جس سے یعقوبی نے استفادہ کیا ہے۔[75] حالانکہ خلیفہ سوم کے بیٹے ابان کی وفات 95 تا 105 ہجری کے درمیان ہوئی ہے اس صورت میں ایسا شخص جعفر بن محمد الصادق علیہما السلام سے کیسے نقل کر سکتا ہے۔ اس غلطی کے مرتکب عبدالعزیز الدوری بھی ہوئے ہیں۔[76]

یعقوبی نے اپنی تاریخ کی کتاب میں متعدد مقامات پر امام صادق علیہ السلام کا حوالہ دیتے ہوئے نقل کیا ہے، لیکن یہ واضح رہے کہ اس نے اسی ماخذ کی فہرست میں واضح کیا ہے کہ اس نے کچھ روایات جعفر بن محمد الصادق علیہما السلام سے ابوالبختری کے ذریعے بھی بیان کی ہیں۔ پس اس صورت میں اس کتاب میں جو کچھ امام صادق علیہ السلام سے نقل ہوا ہے وہ سب ابان کے ذریعے نہیں ہو سکتا۔ تاریخ یعقوبی میں امام صادق علیہ السلام سے جو منقول ہوا ہے اور دو میں سے ایک طریق ابان یا ابوالبختری سے ہو سکتا ہے وہ مقامات یہ ہیں:

1- رسول خداﷺ کی بارہ ماہ رمضان کو ولادت (ج 2، ص 7)۔

2- یہ روایت کہ حضرت عبد اللہ اور حضرت آمنہ کی شادی اور رسول خداﷺ کی ولادت کے درمیان دس مہینے کا فاصلہ تھا (ج 2، ص 9)

3- یہ روایت کہ جبرئیل علیہ السلام پہلی بار رسول خداﷺ پر بروز جمعہ بیس رمضان کو نازل ہوا اس وجہ سے مسلمانوں نے جمعہ کو عید کا دن قرار دیا۔ (ج 2، ص 22- 23)

4- یہ روایت کہ ہر رسول کا معجزہ اس زمانے میں پائے جانے والے عمومی مسئلے کے متناسب ہوتا ہے اور چونکہ رسول خداﷺ کی بعثت کے وقت فصاحت و بلاغت اور شعر و شاعری کا عروج تھا اس لئے قرآن معجزہ قرار پایا۔ (ج 2، ص 35)

5- نزول قرآن کے بارے روایت اور رسول خداﷺ کا آیت قتال کے نزول تک انتظار اور پھر جنگوں کا آغاز۔ (ج 2، ص 44)۔

6- رسول خداﷺ کی تدفین کے موقعہ پر جبرئیل علیہ السلام کا اس طرح بات کرنا کہ حاضرین نے آواز کو سنا لیکن کسی کو دیکھا نہیں۔ اس بارے میں روایت۔ (ج 2، ص 114)۔ تاریخ یعقوبی میں ایسی متعدد روایات ہیں جو ابان سے منقولہ دوسرے مصادر میں باتوں سے بالکل مماثلت رکھتی ہیں۔ اس کی ایک مثال حضرت خدیجہ

علیہا السلام کے متعلق خبر ہے جس کا ذکر شیخ مفید نے اپنی امالی (ص 110) میں کیا ہے اور یعقوبی (1 صفحہ 35) نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کی دیگر مثالوں کا ہم نے حاشیہ میں ذکر کیا ہے۔

تیسری اور چوتھی صدی کے حدیثی مصادر میں کثیر تعداد میں فقہی روایات کے ساتھ رسول خدا ﷺ کی سیرت کے متعلق بھی متعدد روایات نقل ہوئی ہیں، جن میں کلینی کی کتاب کافی، تفسیر قمی، شیخ صدوق کی کتب اور شیخ مفید کی بعض کتب اہم ہیں۔ کلینی مرحوم نے خصوصا روضہ میں رسول خدا ﷺ کی سیرت کے بارے میں ابان کی چند احادیث بیان کی ہیں۔ یہ بات تقریبا یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ جو کچھ روضہ اور اسی طرح تفسیر قمی میں آیا ہے وہ ابان کی کتاب سے لیا گیا ہے؛ خاص طور پر شیخ نے فہرست میں «رواہ القمیون» کے نام سے ایک کتاب کے نسخے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ شیخ صدوق نے بھی اپنی دو کتابوں علل الشرایع اور امالی میں ابان سے بہت زیادہ حدیثیں نقل کی ہیں۔ جن میں بعض کا تعلق انبیاء کی تاریخ سے ہے اور بعض رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے مربوط ہیں۔

امام ابوطالب یحییٰ بن حسین بن ہارون (340-421) جو کہ دیلم اور گیلان کے علاقوں میں زیدیوں کے امام تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب امالی جس کا نام تیسیر المطالب تھا، میں چند جگہوں پر ابان کے حوالے سے کچھ روایات بیان کی ہیں۔ ان چند احادیث کی ابان تک سند، ایک جیسی ہے: اخبرني ابی، قال: اخبرنا محمد بن حسن بن الولید، قال: حدثنا محمد بن الحسن الصفار، عن محمد بن الحسين بن ابي الخطاب،، قال: حدثنا جعفر بن بشير البجلي عن ابان بن عثمان۔ ابان سے منقولہ سند میں یکسانیت اور اشتراک اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ابان کی کتاب سے استفادہ کیا گیا ہے۔

کتاب ابان کی طرف شیخ طوسیؒ کے پہلے طریق میں سب سے پہلے شخص کے طور پر شیخ مفیدؒ کا نام آتا ہے، انہوں نے بھی ابان سے روایات نقل کی ہیں۔ طبرسی مرحوم واحد شخص ہیں جنہوں نے اپنی کتاب «إعلام الوری» میں بڑی صراحت سے ابان کی کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ وہ اس کتاب سے نقل کرتے ہیں اور یوں انہوں نے ہمارے لئے اس کتاب کا بہت بڑا حصہ محفوظ کیا ہے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے غزوات کے باب میں "وفی کتاب ابان" اور "قال ابان" جیسے الفاظ کے ساتھ مغازی کا حصہ ذکر کیا ہے۔ کچھ مقامات پر یہ نقل چند صفحات تک جاری رہتا ہے جو کہ طبیعی طور پر ابان کی کتاب سے ہی ہونا چاہیے۔ کیونکہ طبرسی اکثر جگہوں پر اپنے مطالب کے ماخذ کا حوالہ بیان کرتے ہیں۔ یہ بھی امکان ہے کہ طبرسی نے مجمع البیان میں بھی اس کتاب سے استفادہ کیا ہو، لیکن سند کے بیان نہ کرنے اور صرف معصوم کے نام کے ذکر پر اکتفاء کرنے کی وجہ سے یہ مقامات واضح نہیں ہیں۔

کتاب إعلام الوری، ابن شہر آشوب کی دسترس میں تھی اور اس نے بھی اس کتاب کے ذریعے کتاب ابان سے نقل کیا ہے۔ ابان سے ابن شہر آشوب کی روایات میں سے صرف رسول خدا ﷺ کی ولادت باسعادت والی

حدیث اعلام الوری میں بیان نہیں ہوئی ہے، لیکن دیگر موارد میں اس کا مأخذ و مصدر کتاب إعلام الوری ہے اگرچہ اس بات کا اس نے تذکرہ نہیں کیا۔ اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ طبرسی کے ابان سے منقول مطالب کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ انہی منقولہ مطالب سے قبل اور بعد اس نے ان باتوں کا بھی اپنی کتاب مناقب میں ذکر کیا ہے جو ابن اسحاق یا دوسروں سے بیان ہوئے ہیں۔ راوندی نے بھی قصص الأنبیاء، میں مغازی کے باب میں إعلام الوری سے استفادہ کیا ہے لیکن نہ ہی اس نے کتاب کا حوالہ دیا ہے اور نہ ابان کے نام کی طرف اشارہ کیا ہے۔ عبارات کی مماثلت اور شباہت اس امر کو ثابت کر سکتی ہے۔

جہاں تک ہم نے تحقیق کی ہے اس کے مطابق اہل سنت کے مآخذ میں سیرت کے متعلق ابان سے صرف ایک بیان نقل ہوا ہے۔ «عرض رسول الله نفسه على قبائل العرب» کے بارے میں یہ روایت جو قدرے تفصیل سے ہے، اس کی ابو نعیم اصفہانی اور بیہقی نے دو سندیں بیان کی ہیں، ایک اس طریق سے: عن ابان بن عبد الله البجلی عن ابان بن تغلب عن عکرمه عن ابن عباس عن علی بن ابی طالب۔ اور دوسری: عن ابان بن عثمان عن ابان بن تغلب... کے طریق سے۔

کتاب ابان، کا سب سے پہلا حصہ کتاب المبتدا تھا۔ یہ نام: «البدءُ والبدیءُ الاول» سے لیا گیا ہے جس کا مطلب پہلوں یا سابقہ لوگوں کے حالات و واقعات ہیں۔ سابقہ لوگوں کے حالات و واقعات سے خصوصی طور پر مراد حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر بعد والے انبیاء الٰہی کے حالات و واقعات ہیں۔ مسلمان مورخین، تاریخ انسان کو حضرت آدمؑ کے زمانے سے شروع کرتے تھے۔ اس بات میں وہ تورات کے ساتھ خود قرآن سے بھی متاثر تھے۔ وہب بن منبہ ایک یہودی الاصل مسلمان عالم تھا، جس کی المبتدا یا کتاب المبدا یا کتاب المبتدا والسیرۃ یا مبتدا الخلق جیسے عنوانات پر کتابیں ہیں جن سے ثعلبی نے اپنی تفسیر میں استفادہ کیا ہے اور بعد میں تاریخ طبری اور دیگر منابع و ماخذ میں بھی اس کی کتابوں سے مواد لیا گیا ہے۔

اسی ترتیب کے مطابق ابن اسحاق کی سیرت کی شروع میں کتاب المبتدا موجود تھی جسے بعد میں ابن ہشام نے اس کی سیرت کی تہذیب کرتے ہوئے حذف کر دیا۔ اس وقت تاریخ یعقوبی اور تاریخ طبری جیسی عام تاریخوں میں مذکورہ ابواب موجود ہیں۔ عام طور پر ان ابواب میں اہل کتاب سے اخبار و روایات نقل کی گئی ہیں اور یہ ان حصوں میں سے ایک ہے جن میں کثرت سے اسرائیلیات یہودیوں اور یہودی ذرائع سے نقل کی جاتی رہی ہیں۔

ابن ندیم نے اس موضوع پر کئی کتابوں کے نام گنوائے ہیں۔[77] جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ہے کتاب ابان کے پہلے باب کا نام بھی کتاب المبتدا رکھا گیا ہے۔ کتاب کا عنوان ایک علیحدہ کتاب پر بھی صادق آ سکتا ہے اور ایک کتاب کے کسی ایک حصے کو بھی شامل ہو سکتا ہے جیسا کہ ایک فقہی کتاب کے ابواب میں سے ہر ایک کو کتاب کے

عنوان سے یاد کیا جاتا رہا ہے۔ ابان نے اس حصے میں حالات و واقعات کو ائمہ ھدیٰ علیہم السلام کی روایات اور دیگر مصادر کی روشنی میں مرتب کیا ہے۔ اس وجہ سے جو اس نے نقل کیا ہے اس میں ہر چیز پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ ہم نے موجودہ کتاب میں کتاب المبتدا کی اخبار کو شامل نہیں کیا ہے۔ اس کی وجہ رسول خداﷺ کی سیرت پر ہماری انتہائی حساسیت تھی۔ اس کے علاوہ، ہم نے محسوس کیا ہے کہ نقد و نظر اور تجزیہ و تحلیل کے بغیر کتاب المبتدا کے حوالہ جات پیش کرنا مناسب نہیں۔ اسی کے ساتھ ہی ہم نے ان اخبار و روایات کی فہرست فراہم کرنے کا فیصلہ بھی کیا جنہیں ابان کے حوالے سے مختلف ذرائع میں نقل کیا گیا ہے۔[78]

یہ بات قابل ذکر ہے کہ بعد والے مآخذ میں سے دو کتابوں علل الشرائع اور راوندی کی قصص الأنبیاء نے اس کتاب کے سب سے زیادہ حوالے دیے ہیں۔ چہ بسا درج ذیل حوالہ جات میں ایسی منقولہ باتیں ہوں جو انہوں نے ایک دوسرے سے لی ہوں۔ یہ بات بحارالانوار کے بارے خاص طور پر صادق آتی ہے جس نے قصص الانبیاء کے تقریبا تمام منقولہ روایات کو بیان کیا ہے۔ کتاب المبتدا کے دیگر مطالب تفسیر قمی، تفسیر عیاشی اور دیگر ماخذ میں ذکر ہوئے ہیں۔ بد قسمتی سے سیرت ابان اب ہماری دسترس میں نہیں ہے تاکہ ہم اس پر بات کر سکیں کہ انہوں نے یہ کتاب کیسے لکھی۔ جہاں تک ہم جانتے ہیں وہ یہ کہ اس نے مکتب حدیث سے متاثر ہو کر سیرت کی روایات کو اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے، اس کا ثبوت اس کی سیرت کا باقی ماندہ حصہ ہے جو اب الگ الگ روایتوں کی شکل میں موجود ہے۔

ابان نے ایک شیعہ محدث ہونے کے ناطے ایک ایسی سیرت لکھنے کی کوشش کی ہے جس کا دارومدار ائمہ معصومین کی روایات پر ہو۔ اسی وجہ سے، ان کی زیادہ تر روایات یا تو براہ راست امام صادق علیہ السلام سے ہیں یا ان کے اصحاب کے ذریعہ امام صادق یا امام باقر علیہا السلام تک پہنچتی ہیں۔ تاہم، اپنی کتاب کو مکمل کرنے کے لئے، انہوں نے کچھ احادیث عام طریقوں سے بھی نقل کی ہیں۔ مثال کے طور پر انہوں نے مختلف مواقع پر ابان بن تغلب کے ذریعے عکرمہ سے اور اس نے عبداللہ ابن عباس سے روایتیں نقل کی ہیں۔ کچھ معاملات میں اس کی روایتیں مرسل بھی ہیں؛ یہاں تک کہ امام معصوم کا نام بھی مذکور نہیں ہے۔ احتمال ہے کہ ان مقامات پر اس نے ائمہ معصومین کے علاوہ دوسروں سے بھی روایات نقل کی ہیں۔

چونکہ طبرسی نے اعلام الوری میں اس سیرت کے بہت بڑے حصے کو ذکر کیا ہے لیکن حوالوں کی اسناد کو بیان نہیں کیا۔ اس لئے ابان کی اسناد کا تفصیلی جائزہ اس کتاب میں میسر نہیں آ سکتا۔ اس کے باوجود اسی باقی ماندہ مقدار سے اور زرارہ، ابوبصیرہ، محمد بن مسلم، ابان بن تغلب اور ان جیسے ثقات سے منقولات کو دیکھتے ہوئے اس کتاب کی مضبوطی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ سیرت پر لکھی گئی شیعہ مصنفین کی تمام کتابیں

ضائع اور ختم ہو چکی ہیں۔ اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے سیرت ابان کی اس حد تک تشکیلِ نو سیرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں شیعہ نظریات کو پہچاننے کے راستے میں ایک قدم سمجھا جا سکتا ہے۔ مذکورہ متن، ان سطور کے راقم کی کاوش سے انتشارات دفتر تبلیغات اسلامی قم کی طرف سے شائع ہو چکا ہے۔

*****

References

---

1. Jafarian, Rasool, *Tarikh-e Siyasi-e Islam*, Seerat-e-Rasool-e Khuada (PBUH), (Qom, Moasasa-e-dr Rah-e Haq, 1366 SH), 37.

جعفریان ، رسول، *تاریخ سیاسی اسلام* ج 1 "سیرتِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" (قم، موسسہ در راہ حق، 1366ھ،ش) ص37، بحوالہ: مقدمہ ای بر تاریخ تدوین حدیث، قم انتشارات فؤاد، 1369۔

2. Ibid, with reference to: Al-Masudi, Abu Al-Hasan, Ali bin Al-Hussain, *Maruj al-zahab wa Ma'adin Al-Jawhar*, Vol. 2 (Beirut, Dar Al-Andalus, 1st Edition, 1358 SH), 72; with reference to: Shakir Mustafa *Al-Tarikh al-Arbi wa al-Moarekhun*, Vol. 1, (Beirut, Dar-ul Ilm lilmalayeen, 1983), 124.

ایضا، بحوالہ: المسعودی، ابو الحسن، علی بن الحسین، *مروج الذہب و معادن الجوہر*، ج 2، (بیروت، دار الاندلس، الطبعۃ الاولی 1358ق)، 72؛ بہ نقل از؛ شاکر مصطفیٰ، *التاریخ العربی والمؤرخون*، ج 1، (بیروت، دار العلم للملایین، 1983)، 124۔

3. Ibid, p. 38; with reference to: Fuat Sezgin, *History of the Arab Heritage*, Vol. 1, Part 2 "Historical Complition" (Qum, Aayatullah Marashi Liberary, 1371 SH.) 29-43.

ایضا، ص: 38؛ بحوالہ: فواد سزگین، تاریخ التراث العربی، ج 1، جزء 2: «التدوین التاریخی»، (قم، کتابخانہ آیۃ اللہ مرعشی، 1371ش)، صص: 29-43۔

4. Ibid, with Reference to: Guftar hai Peramoon Tarikh Alom Arbi wa Islami, 179.

ایضا، بحوالہ: گفتارہایی پیرامون تاریخ علوم عربی و اسلامی، ص 179۔

5. Ibid, 39; with Reference to: Moward Tarikh al-Tibri, Bakhash Nakhasat, 166.

ایضاً، 39؛ بحوالہ: موارد تاریخ الطبری، بخش نخست، 166۔

6. Ibid, with Reference to: Al-Mofiqiyat, 332.

ایضاً، بحوالہ: الموفقیات، 332۔

7. Ibid, with Reference to: *Tarikh al-Turas al-Arabi*, *al-Tadwen al-Tarikhi*, Vol.1, Juz 2, P:20.

ایضاً، بحوالہ: تاریخ التراث العربی، التدوین التاریخی، ج1، جزء 2، ص20۔

8. Jawad Ali, *Tarikh al-Arab fi il Islam*, 17-19.

اس حوالے سے دیکھیں: جواد علی، تاریخ العرب فی الاسلام، 19-17۔

9. Ibid, P:39, with Reference to: *Tarikh al-Turas al-Arabi*, *al-Tadwen al-Tarikhi*, Vol.1, Juz2, Page:23.

ایضاً، ص39، بحوالہ: تاریخ التراث العربی، التدوین التاریخی، ج1، جزء 2، ص23۔

10. Ibid, *Tabqaat al-Kubra*, Vol. 5, P.133; *Al-Baddat wa al-Nayyat*, Vol. 9; *Al-Farist*, P123 Ba Naqal az Muqadma, Makhazi Rasullah Liorwat bin Zabair.

ایضاً: طبقات الکبری، ج5، ص133؛ البدایۃ والنہایہ، ج9، ص101؛ الفہرست، ص123 بہ نقل از مقدمہ «مغازی رسول اللہ لعروۃ بن زبیر»؛ ہشام بن عروہ کا کہنا ہے کہ اس کے باپ کے پاس کافی مکتوبات تھے جنہیں انہوں نے واقعہ حرہ میں نابود کر دیا۔

11. Ibid, 40, with Reference to: *Moward Tarikh al-Tibri*, Bakhash Nakhasat, 186.

ایضاً، 40، بحوالہ: موارد تاریخ الطبری، بخش نخست، 186۔

12. Ibid, with reference to: Al-Muntakhab man Zail al-Mazeel, 97.

ایضاً، بحوالہ: المنتخب من ذیل المذیل، 97۔

13. Ibid, with reference to: *Al-Ilan Baltobikh*, p. 88, Ba Naqal az *Tarikh Tarikhingari Dar Islam*, Vol. 2, p. 214; *Tarikh al-Turath al-Arabi*, Vol. 1, Joz 2, p. 79-76.

ایضا، بحوالہ: الاعلان بالتوبیخ، ص88، بہ نقل از تاریخ تاریخنگاری دراسلام، ج2، ص214؛ تاریخ التراث العربی، ج1، جزء 2، ص79-76۔

14. Ibid, with Reference to: Daira al-Mahrif il Islamiat, Vol.4, 486.

ایضاً، بحوالہ: دائرۃ المعارف الاسلامیۃ، ج4، 486۔

15. Ibid, with Reference to:: (Damascus, Dar al-Fikr al-Muddeen, 1401AH), No paeg.

ایضاً، بحوالہ: (دمشق، دار الفکر المعاصر، 1401)۔ صفحہ ندارد۔

16. Ibid, with Reference: *Tarikh Baghdad*, Vol.1, P: 219; *Shazrat al-Zahab*, Vol.1, P: 227; *Tehzeeb al-Kamal*, Vol.29, P: 118.

ایضا، بحوالہ: تاریخ بغداد، ج1، ص219؛ شذرات الذہب، ج1، ص227؛ البتہ موسیٰ بن عقبہ سیرہ منظمی داشت ومالک بن انس آن را صحیح تراز دیگران بہ ویژہ ابن اسحاق می دانست۔ نک: تہذیب الکمال، ج29، ص118۔

17. Ibid, 41.
18. Ibid, 41, with Reference to: *Al-Tarikh al-Arbi wa al-Moarekhun*, Vol. 1, P: 119-122.

ایضا، ص41، بحوالہ: التاریخ العربی والمورخون، ج1، ص119 - 122۔

19. Ibid, 42 with Reference to: *Al-Baddat wa al-Nayyat*, Vol. 9, 66.

ایضاً، 42، بحوالہ: البدایۃ والنہایۃ، ج9، 66۔

20. Ibid, with Refecne to: *Rawait al-Shameen Lil-Maghazi wa al-Seer fi al-Qurnain Il-Awal wa al-Sani al-Bahrian*, 52-54.

ایضاً، بحوالہ: روایۃ الشامیین للمغازی والسیر فی القرنین الاول والثانی الہجریین، 52 - 54۔

21. Ibid, with Refecne to: *Tazkra al-Hafiz*, Vol.1, 173.

ایضا، بحوالہ: تذکرۃ الحفاظ، ج1، ص173۔

22. Ibid, with Reference to: *Tehzeb al-Tehzeb*, Vol.9 307; *Tarikh al-Turas al-Arabi, al-Tadwen al-Tarikhi*,, Vol.1, Juz2, 71.

ایضا، ص:43، بحوالہ: تہذیب التہذیب، ج9، ص307؛ تاریخ التراث العربی، التدوین التاریخی، ج1، جزء2، 71۔

23. Ibid, with Reference to: Tazkra al-Hafiz, Vol.1, 145.

ایضاً، بحوالہ: تذکرۃ الحفاظ، ج1، 145۔

24. Ibid, with Reference to: *Tarikh al-Turas al-Arabi, al-Tadwen al-Tarikhi*, 73; *al-Maghzi Illwali wa Molafoha*, 48.

ایضا، بحوالہ: تاریخ التراث العربی، التدوین التاریخی، 73؛ المغازی الاولی ومؤلفوہا، 48۔

25. Ibid, with Reference to: *Tarikh al-Turas al-Arabi, al-Tadwen al-Tarikhi*, 184-186.

ایضاً، بحوالہ: تاریخ التراث العربی، التدوین التاریخی، 184 - 186۔

26. Ibid, with Reference to: *Tazkra al-Hafiz*, Vol.1 148.

ایضاً، بحوالہ: تذکرۃ الحفاظ، ج1، 148۔

27. Ibid, with Reference to: *Al-Jarh wa al-Tahdeel*, Vol. 1, 22; *Al-Tazkarah al-Hafiz*, Vol. 1, 148; *al-Maghzi Illwali wa Molafoha*, 71.

ایضا، بحوالہ: الجرح والتعدیل، ج1، 22؛ تذکرۃ الحفاظ، ج1، 148؛ المغازی الاولی ومؤلفوہا، 71۔

28. Ibid, 88-89.

ایضا،89 -88۔

29. Ibid, 44; with Reference to: *Tehzeb al-Kamal*, Vol. 29, 115-116.

ایضاً: 44؛ بحوالہ: *تہذیب الکمال*، ج29، 115-116۔

30. Ibid, 118.

ایضاً، 118۔

31. Ibid, 120.

ایضاً، 120۔

32. Ibid, 45; with Reference to: *Tehzeb al-Kmala*, Vol. 29, 119.

ایضاً: 45؛ بحوالہ: *تہذیب الکمال*، ج29، 119۔

33. Ibid, with Reference to: *Mujam al-Buldan*, Vol. 4, 1008 (Chaap Urpa).

ایضاً، بحوالہ: *معجم البلدان*، ج4، 1008 (چاپ اروپا)۔

34. Ibid, with Refecne: *Tarikh al-Turas al-Arabi*, *al-Tadwin al-Tarkhi*, 85.

ایضاً، بحوالہ: *تاریخ التراث العربی، التدوین التاریخی*، 85۔

35 ۔ ابن اسحاق کے بارے میں فراوان تحقیقات لکھی اور شائع کی جاچکی ہیں۔ اسی عنوان کے تحت اُس کے بارے میں ایک مکمل رسالہ لکھا جاچکا ہے۔ دیکھیں:

J- Fflck, Muhammad ibn Isfidq, Frankfurt; 1932-

36۔ تحقیق دیگر از Horowitz بود کہ با عنوان المغازی الاولی و مؤلفوہا توسط حسین نصار بہ عربی چاپ شد (قاہرہ، 1946)۔ محقق دیگری متن اصلی سیرہ ابن اسحاق را بدون اضافات ابن ہشام و ہمراہ با آنچہ از ابن اسحاق در مصادر دیگر آمدہ و در سیرہ ابن ہشام حذف شدہ بودہ چاپ کرد۔ مشخصات آن از این قرار است:

A -Guillaume ,The Life of Muhammad ,OUP-1955

37. Ibid; See: *Al-Bahos wa Al-Mahzerat*, 1385, *Maqala wa Rasta fi Serat al-Nabi*, 117.

ایضاً؛ دیکھیں: *البحوث والمحاضرات*، 1385، *مقالہ دراسۃ فی سیرۃ النبی*، ص117۔

38. Ibid; 46; Reference to: *Maruj al-Zhahab*, Vol. 4, 116 (Vol. 5, 211): "

ایضاً: 46؛ بحوالہ: *مروج الذہب*، ج4، 116 (ج5، 211):" اول من جمع كتب المغازی و السیر و أخبار المبتدأ، ولم تكن قبل ذلك مجموعة ولا معروفة ولا مصنفة"۔

39. Ibid; with reference to: *Tarikh Baghdad*, Vol. 1, 211.

ایضاً؛ بحوالہ: *تاریخ بغداد*، ج1، 211۔

40. Ibid, with reference to: *Al-Badah wa al-Tarikh*, Vol. 1, 149.

ایضاً، بحوالہ: *البدء والتاریخ*، ج1، 149۔

41. Ibid, 47; reference to: Yaqoot wa Ibn Nadeem ba Sakhti bon Basyari az ashaar majood dar Sera Tasreh krdand. Mohajam al-Adba, Vol. 6, 400; *Al-Farst*, 92; *Tabqaat al-Shurah, 4 (Lian) ba naqal az: al-Bahos wa al-Mahzrat*, 127-128.

ایضا، ص 47؛ بحوالہ: یاقوت و ابن ندیم بہ ساختگی بودن بسیاری از اشعار موجود در سیرہ تصریح کردہ اند۔ نک: معجم الادباء، ج 6، 400؛ الفہرست، ص 92؛ طبقات الشعراء، 4 (لیدن) بہ نقل از: البحوث والمحاضرات 127- 128۔

42. Ibid; reference to: Moward Tarikh al-Tibri, Bakhash Nakhasat, 147.

ایضاً؛ بحوالہ: موارد تاریخ الطبری، بخش نخست، ص 147 از:

Noldecke -Sehwally -Vol ,2 -P- 188-

43. *Al-Kamil fi-Zahafa Al-Rijal*, vol. 6, p. 106.

ابن اسحاق کہتا تھا: انا بیطار علم مالك۔[الکامل فی ضعفاء الرجال، ج 6، ص 106] مالک بھی کہتا تھا: ابن اسحاق دجال من الدجاجلة۔ ہشام کے ساتھ اُس کے اختلاف کی وجہ یہ تھی کہ اُس نے ہشام کی بیوی سے ایک روایت نقل کی تھی جس کی وجہ سے ہشام اُس پر سخت برملا تھا کہ بھلا وہ اُس کی بیوی سے ملا کہاں اور کیسے ہے کہ اُس سے روایت بھی نقل کی ہے۔

44. Ibid; with Reference to: *Tarikh Yahya bin Ma'in*, Vol. 1, 247; With reference to: *Al-Kamil Fi-Zaahfa -al-Rijal*, Vol. 6, 106.

ایضاً؛ بحوالہ: تاریخ یحیٰ بن مَعین، ج 1، 247۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ قَدر کے عقیدہ کا پابند ہونے کی وجہ سے حاکم نے اُس پر حد جاری کی۔ بحوالہ: الکامل فی ضعفاء الرجال، ج 6، ص 106۔

45. See: *Ayyun al-Athar*, Vol. 1, 67-54.

دیکھیں: عیون الاثر، ج 1، 67- 54۔

46. Ibid; With reference to: *Al-Tazkrat al-Hafiz*, Vol. 1, 173; *Tarikh Yahya bin Mu'in*, Vol. 1, 60, 225.

ایضاً؛ بحوالہ: تذکرۃ الحفاظ، ج 1، 173؛ تاریخ یحیٰ بن معین، ج 1، 60، 225۔

47. Ibid, :48; with reference to: *Al-Muntkhab man Zhul-ul-Muzheel*, 654.

ایضاً، :48؛ بحوالہ: المنتخب من ذیل المذیل، 654۔

48. See: *Al-Kamil fi-Zoafa Al-Rijal*, vol. 6, p. 103.

دیکھیں: الکامل فی ضعفاء الرجال، ج 6، ص 103۔ دلیل تضعیف مورخان از سوی اہل حدیث ہمین است کہ آنہا پایبند بہ اصول آنہا در نقل روایات نیستند و روش خاص خود را دارند۔ طبعا بہ دلیل آن کہ کار تاریخی می کنند، نمی توانند چندان در چہارچوبہ اسناد صحیح باقی بمانند۔

49. *Al-Farsat*, 102.

الفہرست، 102۔

50. *Al-Kamil Fi-Zaahfa -al-Rijal*, Vol. 6, 105..

الکامل فی ضعفاء الرجال، ج6، 105۔

51. Ibid, 106.

ایضاً، 106۔

52. *Tarikh al-Adab al-Arabi*, Vol. 3, 11.

تاریخ الادب العربی، ج3، 11۔

53. *Tarikh al-Turas al-Arabi, al-Tadwin al-Tarkhi*, 92.

تاریخ التراث العربی، التدوین التاریخی، 92۔

54. Ibid, 49; with reference to: *Bahas fi Nishata Ilam al-Tarikh Ind al-Arib*, 33-32 (Englishi Matn).

ایضاً: 49؛ بحوالہ: بحث فی نشاۃ علم التاریخ عند العرب، 33-32 (متن انگلیسی)۔

55. Ibid; with reference to: *Dahira al-Mahrif il-Islamiat*, Vol. 4, 486.

ایضاً؛ بحوالہ: دائرۃ المعارف الاسلامیۃ، ج4، 486۔

56. Ibid, with reference to: *Al-Tazkrat al-Hafiz*, Vol. 1, 173; *Al-Jarh wa Al-Mudham*, Vol. 1, 20-19.

ایضاً، بحوالہ: تذکرۃ الحفاظ، ج1، 173؛ الجرح والتعدیل، ج1، 20-19۔

57. Ibid; with reference to: *Al-Jarh wa Al-Al-Mudham*, Vol. 1, 19; *Tarikh Baghdad*, Vol. 1, 223.

ایضاً؛ بحوالہ: الجرح والتعدیل، ج1، 19؛ تاریخ بغداد، ج1، 223۔

58. *Matmam Tabqaat al-Kubrah*, 402.

متمم طبقات الکبری، 402۔

59. Ibid; with reference to: *Al-Maghazi al-Awali wa Molafoha*, 81; *Muqadma Kitab Al-Seer wa Al-Maghazi az kaar*, 13-14.

ایضاً؛ بحوالہ: المغازی الاولی ومؤلفوہا، 81؛ مقدمہ کتاب السیر والمغازی اززکار، 14-13۔

60. *Al-Mabhoas wa al-Mohazrat*, 130.

یونس بن بکیر کے نسخہ میں جو اشعار ہیں وہ ابن ہشام کے متن میں نہیں آئے۔ دیکھیں: البحوث والمحاضرات، 130۔

61. *Bizam Avard*, 97; See: Research Journal *"Ainah -e-Pazuhesh*, year 2, Issue. 5, *"Ibn Hisham wa Seerah"*,p. 9-30.

بزم آورد، ص97 ونک: مجلّہ آینہ پژوہش، سال 2، ش 5، مقالہ: ابن ہشام و سیرہ او، ص30-9۔

بعض ایسی عبارات بھی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات جب کوئی مطلب امام علی علیہ السلام کے حق میں تھا تو ابن ہشام نے اس میں اضافہ کیا ہے؛ مثال کے طور پر یہ خبر کہ امام علی علیہ السلام کی قلعہ بنی قریظہ کی تسخیر پر نہیب موجب بنی کہ وہ فوراً اپنے آپ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے سامنے تسلیم کر دیں۔ دیکھیں: السیرۃ النبویہ، ج3، ص240۔

ابن ہشام کی حذف میں عبارت یوں ہے: ---مما ليس لرسول الله فيه ذكر، و ما نزل فيه من القرآن بشیء و ليس سببا لشیء من هذا الكتاب و لا تفسيرا له و لاشاهدا عليه لما ذكرت من الاختصار و اشعارا لم أر احدا من اهل العلم بالشعر يعرفها و اشياء بعضها نشنع الحديث به و بعض يسوء بعض الناس ذكره و بعض لم يقرلنا البكائی بروايته۔

ابن ہشام کے حذف کردہ مقامات میں سے بعض ایسی روایات ہیں جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل سے مربوط ہیں۔ اسی طرح بدر میں عباس بن عبد المطلب کے کردار کو حذف کیا گیا ہے۔ اسی طرح امام علی علیہ السلام اسلام لانے کی دعوت جو کہ یونس کے نسخہ میں ہے، سیرہ ابن ہشام میں بیان نہیں ہوئی۔ نیز ابو بکر کے اسلام لانے کی کیفیت کے بارے میں بھی ایک روایت حذف کی گئی ہے۔

62. Ibid; with Reference to: *Tashi Bolus Brunela*, Afst dr Beirut, Dar al-Kitab al-Alimah.

ایضاً؛ بحوالہ: تصحیح بولس برونلہ، افست در بیروت، دار الکتب العلیمۃ۔

63. Ibid, with reference to: *Tarikh Baghdad*, Vol. 1 221.

ایضاً؛ بحوالہ: تاریخ بغداد، ج1، 221۔

64. Ibid, Bahwalla: *Bazm Award*, 102-107.

ایضاً؛ بحوالہ: بزم آورد، 102-107، مؤلف نے یونس بن بکیر کی ابن اسحاق سے روایت کی جانچ پڑتال کی ہے جو قابل توجہ ہے۔ نیز دیکھیں: مقدمہ دکتر مہدوی بر سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ وی راویان مختلف ابن اسحاق را شناساندہ است۔ کتاب سیرہ ابن اسحاق در قم نیز بہ، صورت افست چاپ شدہ است۔

65. Ibid; with Reference to: Daira al-Mahrif il Islamiat, Vol.4, 486

ایضاً؛ بحوالہ: دائرۃ المعارف الاسلامیۃ، ج4، 487۔

66. Ibid: 51, with Referenece to: (Tehran, Sharkat Intashrat ilmi wa Frangi, 1368 SH).

ایضاً :51؛ بحوالہ: (تہران، شرکت انتشارات علمی و فرہنگی، 1368)۔

67. (Tehran, Naser Markaz, 1373 SH).

(تہران، نشر مرکز، 1373)۔

68. Ibid; with reference to: *Tarikh al-Turas al-Arabi, al-Tadwin al-Tarkhi*, 90; *Darbara Ibne Isaaq Nk: Tabqat al-Kubrah*, Vol.7, 321-322; *Al-Maghazi al-Awali wa Molafoha*, 84; Bazam Awar, 81-107.

ایضا؛ بحوالہ: تاریخ التراث العربی، التدوین التاریخی، 90؛ در بارہ ابن اسحاق نک: طبقات الکبری، ج 7، 321 -322؛ المغازی الاولی و مؤلفوہا، 84؛ بزم آورد، 81- 107۔

69 ۔ شخصی با نام Abbott-N بخشی از تاریخ الخلفاء ابن اسحاق را بہ چاپ رساند۔ مشخصات آن از این قرار است:

N- Abbott, Studies in Arabic Literary Papyrii- I- Historical texts, Chicago U- P; 1957, pp.80-100.

70. See: *Tabqaat Fahol al-Sherah*,2 842.

دیکھیں: طبقات فحول الشعراء، 2: 482۔

71. Ibid, with Reference to: *Tarikh al-Turas al-Arabi*, *al-Tadwin al-Tarkhi*, 70.

ایضاً؛ بحوالہ: تاریخ التراث العربی، التدوین التاریخی، 70۔

72. Ibid, 83; with Reference to: *Al-Farsat*: 18-19.

ایضاً؛ :53؛ بحوالہ: الفہرست: 18،19۔

73.Ibid, 84; with Reference to to: *Rijal al-Najashi*, 13.

ایضاً، :54؛ بحوالہ: رجال النجاشی: 13۔

74. Ibid, with Reference to: *Mujam al-Adbah*, Vol. 1: 108-109.

ایضاً؛ بحوالہ: معجم الأدباء ج 1: 108،109۔

75. Ibid, with Reference to: *Tarikh al-Turas al-Arabi*, *al-Tadwin al-Tarkhi*, 70.

ایضاً؛ بحوالہ: تاریخ التراث العربی، التدوین التاریخی، 70۔

76. Ibid, with Reference to: *Bahas fi Nishata Ilam al-Tarikh Ind al-Arib*, 20-21.

ایضاً؛ بحوالہ: بحث فی نشأة علم التاریخ عند العرب، 20،21۔

77. Ibid, 57, with Reference to: *Al-Farsat*, 92,106, 122.

ایضاً، :57؛ بحوالہ: الفہرست 92،106،122۔

78. Farsat An Mowarad aur Maqadma Kitab Mahghazi Aban Awar Doam.

فہرست این موارد در ادر مقدمہ کتاب مغازی ابان آوردہ ایم۔

عقیقہ کا تربیتی پہلو-ایک تحقیقی جائزہ

Fostering Aspect of *Aqiqah*- An Exploratory Review

Open Access Journal
Qtly. Noor-e-Marfat
eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nooremarfat.com
Note: All Copy Rights are Preserved.

Dr. Muhammad Latif Muthari
Department of Educational jurisprudence, Higher Education for jurisprudence Complex; MIU, Qum.
E-mail: latifmutahari83@yahoo.com

Abstract:

No doubt, the upbringing of a child begins from the moment of his birth. That is why, it is obligatoryin Islam for parents to pave the way for their happiness by all available means right from their birth. So, reciting *Adhan & Iqamah* for new born, giving him a good name and well nurturing is the duty of the parents.
Similarly, it is their duty to make efforts for the good education upbringing of the child so that he can adopt pure human qualities. In this regard, one of the things that Islam emphasis, is *Aqeeqah*, i.e, slaughtering an animal on a child’s birth. Although this act is “*Mustahab”* (better, not obligatory), according to famous Shia and Ahl al-Sunnah jurists, it is “Wajib” (obligatory) according to Syed Murtaza and Ibn Junaid Al-Skafi.
Keeping in view the importance of this act, it seems the identification of its fostering impact is crucial. This paper examines the fostering aspect of *Aqeeqah*. The author has pointed out 13 fostering aspects of *Aqeeqah* in his research.

Keywords: Aqeeqah, Islamic Order, Mustahab, Upbringing.

خلاصہ

اس میں شک نہیں ہے کہ بچے کی پرورش اس کی پیدائش کے لمحے سے شروع ہو جاتی ہے۔ اس لیے اسلام میں والدین پر فرض ہے کہ وہ اپنی پیدائش سے ہی تمام دستیاب ذرائع سے ان کی خوشی کی راہ ہموار کریں۔ للذا نوزائیدہ کے لیے اذان واقامت پڑھنا، اس کا اچھا نام رکھنا اور اچھی تربیت، والدین کا فرض ہے۔

اسی طرح ان کا فرض ہے کہ وہ بچے کی اچھی تعلیم و تربیت کے لیے کوشش کریں تاکہ وہ پاکیزہ انسانی صفات کو اپنا سکے۔ اس سلسلے میں اسلام جن چیزوں پر زور دیتا ہے، ان میں سے ایک عقیقہ ہے، یعنی بچے کی پیدائش پر جانور کو ذبح کرنا۔ اگرچہ یہ عمل مشہور شیعہ اور اہل السنۃ فقہاء کے نزدیک "مستحب" (بہتر، نہ لازمی) ہے، تاہم سید مرتضیٰ اور ابن جنید الاسکافی کے نزدیک یہ "واجب" ہے۔ اس عمل کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے، ایسا لگتا ہے کہ اس کے تربیتی اثرات کی نشاندہی بہت ضروری ہے۔ اس مقالے میں عقیقہ کے تربیتی اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مقالہ نگار نے اپنی اس تحقیق میں عقیقہ کے 13 تربیتی اثرات بیان کیے ہیں۔

کلیدی کلمات: عقیقہ، شرعی حکم، مستحب موکد، تربیتی تجزیہ و تحلیل، تربیت فرزند۔

تعارف

فرزند اللہ تعالی کی طرف سے عطا شدہ ایک نعمت ہے جو پیدا ہونے پر اپنے والدین اور رشتہ داروں کے لیے خوشی اور مسرت کا باعث بنتا ہے۔ تاہم، ساتویں دن بھیڑ کی قربانی ایک الہی اور پرانی سنت ہے، جسے عقیقہ سمجھا جاتا ہے جو بچوں سے مختلف قسم کی آفات اور بلاوں کو دور کر دیتا ہے جس کی بنا پر والدین کو اس کی چیز کی تاکید کی گئی ہے۔

در حقیقت فرزند کے لئے عقیقہ کرنا مستحب موکد ہے جس کا ذکر بہت سی احادیث میں آیا ہے کہ اس سے بچے سے آفات دور ہوں گے اور خداوند متعال بچے کی طرف توجہ کرے گا۔ یہاں تک کہ عقیقہ کرنا اہل سنت کے ہاں جیسے شافعی اور مالکی کے مطابق بھی مستحب ہے۔

بعض افراد کا خیال ہے کہ عقیقہ کرنا جاہلیت کے زمانے کی ایک ثقافت اور رسم ہے جسے دین اسلام نے بھی اس کے اجتماعی آثار کو مدنظر رکھتے ہوئے قبول کیا ہے جیسا کہ دین اسلام سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ وہ اپنے بیٹے کو قربان کریں، لیکن قربانی کے وقت اللہ تعالی نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مقابلہ میں ایک بھیڑ بھیجا۔ لہذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ عقیقہ ایک پرانی رسم ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے چلی

آ رہی ہے اور زمانہ جاہلیت میں اس میں تبدیلیاں آئی ہیں۔
فقہی احکام کا تربیتی تحلیل و تجزیہ ایک ایسا موضوع ہے جو مستند اسلامی مآخذ یعنی قرآن و سنت، نیز استدلال اور تجربے سے استفادہ کرتے ہوئے، فقہ کے اسرار، حکمتوں، نتائج اور فقہی احکام کی تربیتی اثرات سے بحث کرتا ہے۔ حدود کے لحاظ سے فقہی احکام کی تربیتی تجزیے میں تربیتی موضوعات اور عمومی موضوعات دونوں شامل ہیں۔ کیونکہ فقہ ایک ایسا علم ہے جسے انسانی تعلیم کے مختلف شعبوں میں مؤثر طریقے سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ فقہی احکام کے تربیتی تجزیے کے لیے آلات اور منابع کی ضرورت ہے، جن میں سب سے اہم آیات و روایات، عقل، اور بعض انسانی علوم جیسے علم نفسیات اور علم تعلیم و تربیت ہے۔ فقہی احکام کے تربیتی تجزیے کے بہت سے فوائد ہیں جن میں سے ایک تربیتی موضوعات میں شرعی حکم اخذ کرنے میں مدد اور، تربیتی موضوعات میں ثانوی فقہی عنوانات کا تعین کرنا شامل ہیں۔
اسلامی علوم میں فقہ کو ایک خاص مقام اور وقار حاصل ہے، کیونکہ یہ علم ایک مسلمان شخص کی روزمرہ کی زندگی میں کاربردی اور عملی علم ہے، کیونکہ انسان کے تمام اعمال احکام خمسہ سے خالی نہیں ہے۔ دوسری طرف، تربیتی علوم بھی ایک عملی علم ہے جس میں ہر عمر اور زندگی کے دورانیے میں انسانی وجود کے تمام پہلوؤں کو شامل ہے۔ فقہ اور علوم تربیتی کے درمیان تعامل اور ہم آہنگی کے وسیع شعبے ہیں، اور ان شعبوں میں سے ایک فقہی احکام کا تربیتی تجزیہ و تحلیل ہے۔ فقہ کا تربیتی تجزیہ و تحلیل اسلامی تعلیم و تربیت میں ایک نیا شعبہ ہے جس کے لیے مختلف زاویوں اور جہتوں سے تحقیق کی ضرورت ہے۔
موجودہ اور گذشتہ فقہاء میں سے بعض حضرات نے بعض فقہی احکام کی تربیتی تحلیل و تجزیہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثال کے طور پر شہید ثانی (رہ) حضانت کودک کے بحث میں بچہ کے سرپرست کے ثقہ ہونے کی ضرورت اور فاسق شخص کے سرپرستی کے عدم جواز پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: فاسق شخص کی سرپرستی جائز نہیں ہے اور یہ استدلال اور تجزیہ کرتا ہے کہ فاسق کے لیے بچے کی پرورش جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے عدم خیانت کے حوالے اطمینان حاصل نہیں ہے اور بچہ کی سرپرستی کے لئے اس کا فائدہ بھی نہیں ہے کیونکہ بچہ اس کے برتاو کے مطابق پروان چڑھتا ہے اور اسی کے اعمال سے ہی متاثر ہوتا ہے۔ ایک چھوٹا بچہ خالی زمین کی مانند ہے جو اس میں رکھی ہوئی چیز کو قبول کر لیتی ہے۔[1]
علامہ حلی (رہ) والدین کو سات سال کی عمر میں بچوں کو احکام سکھانے اور دس سال کی عمر میں مزید تاکید کرتے ہوئے کچھ اس طرح تحلیل کرتے ہیں: جب بچہ سات سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اس کے والد پر لازم ہے کہ وہ اسے طہارت، باجماعت نماز اور اس میں حاضری کی تعلیم دے تا کہ وہ ان کا عادی ہو جائے، کیونکہ اس عمر میں بچہ

ممیّز ہو جاتا ہے اور جب بچہ دس سال کا ہو جائے تو اسے ان احکام پر عمل کرنے پر مجبور بھی کیا جاسکتا ہے اگرچہ اس پر جب تک وہ بالغ نہ ہو نماز وغیرہ واجب نہیں ہے۔ کیونکہ اس طرح سے بچہ کی تعلیم و تربیت کرنے سے اس کے لئے سختی اور مشقت کا باعث نہیں بنتا بلکہ بالغ ہونے تک اس کی عادت بن جاتی ہے اور یہ گویا فرزند کے حق میں ایک قسم کا احسان اور لطف ہے۔[2]

مرحوم صاحب جواہر (رہ) سات سال کے بعد فرزند کی حضانت کے بحث میں تحلیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
سات سالگی کے بعد اگر فرزند لڑکی ہے تو اس کی پرورش ماں کے پاس ہوگی اور اگر فرزند لڑکا ہے تو اس کی پرورش باپ کے پاس ہوگا کیونکہ تعلیم و تربیت کے اعتبار سے لڑکے کی تعلیم و تربیت کے لئے باپ اور لڑکی کی تعلیم و تربیت کے لئے ماں زیادہ موزوں اور مناسب ہے۔[3]

ان میں سے بچے کے بارے میں مرحوم نراقی (رہ) کا تجزیہ و تحلیل زیادہ جامع ہے وہ اس تناظر میں لکھتے ہیں:
جب بچہ ممیّز ہو جائے تو اسے نماز، طہارت اور رمضان کے بعض ایام میں روزے رکھنے کا حکم دیا جاتا ہے، نیز اصول دین اور ہر وہ چیز جس کی اسے ضرورت ہو اس کی تعلیم دی جاتی ہے، کیونکہ جب بچہ بچپنے میں ہی اسلامی آداب اور احکامات پر شائستہ طریقہ سے عمل کرنے کے عادی ہوں تو بلوغ کے بعد یہ چیزیں بچے کے اندر ملکہ بن جاتا ہے جس کے نتیجے میں وہ ایک نیک اور صالح انسان بن جاتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس اگر اس کی پرورش ہو جائے اور وہ بیہودہ اور غلط کاموں کے عادی ہو جائے تو بلوغ کے بعد ایک فاسق و فاجر انسان کی شکل میں معاشرے کا حصہ بن جائے گا اور اس سے ایسے ایسے کام سرزد ہوں گے جس کے نتیجہ میں اس کے والدین کی بدنامی ہو گی۔ لہٰذا ہر باپ پر لازم ہے کہ وہ اپنے چھوٹے بچوں کی تعلیم و تربیت میں کوتاہی نہ کرے کیونکہ وہ خدا کی امانت ہے، اس کا دل پاک و پاکیزہ ہوتا ہے، اس کی روح کسی بھی کردار سے پاک ہے، اور اس میں نیکی اور بدی کو اختیار کرنے کی صلاحیت موجود ہے، اور یہ اس کے والدین ہیں جو اسے اچھے اور برے میں سے کسی ایک کی طرف مائل کرتے ہیں۔[4] یہ کچھ نمونے ذکر ہوئے ان میں فقہاء عظام نے مختلف تربیتی موضوعات میں اپنا تحلیل و تجزیہ پیش کیا ہے۔

لغت میں عقیقہ سے مراد

"عقیقہ" "عق" کے مادہ سے ہے اور یہ نوزاد بچے کے سر کے بالوں کو کہتے ہیں جن کے ساتھ یہ نوزاد پیدا ہوا ہے، چاہے وہ انسانی بچہ ہو یا جانور، لیکن ابھی یہ اس جانور کا نام بن گیا ہے جسے کسی نومولود کی پیدائش کے ساتویں دن ذبح کیا جاتا ہے۔[5]

عقیقہ، "عق" کے مادہ سے ہے جس کا مطلب کسی چیز کو پھاڑنا ہے۔ بچے کے بالوں کو بھی عقیقہ کہتے ہیں کیونکہ بالوں کی وجہ سے اس کے سر کی جلد پھٹ جاتی ہے۔

فقہی اصطلاح میں عقیقہ سے مراد

فقہاء کی ایک جماعت کے مطابق عقیقہ سے مراد بچے کی پیدائش کے وقت بکری کا ذبح کرنا ہے۔[6] بعض دیگر فقہاء کے مطابق عقیقہ سے مراد وہ جانور ہے جو بچے کی پیدائش کی خاطر ذبح کیا جاتا ہے چاہے بچہ لڑکا ہو یا لڑکی۔[7]

عقیقہ کی اہمیت

مشہور شیعہ فقہاء کے نزدیک عقیقہ مستحب ہے۔ امام خمینی (رہ) تحریر الوسیلہ میں لکھتے ہیں کہ عقیقہ لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کے لیے مستحب موکد ہے۔(من المستحبات الأكيدة العقيقة للذكر و الأنثى....)[8] لیکن بعض فقہاء بشمول سید مرتضیٰ (رہ) اور ابن جنید اسکافی (رہ)[9] کے نزدیک عقیقہ واجب ہے۔[10] بعض روایات کے مطابق عقیقہ واجب ہے جن میں سے بعض کی طرف ہم یہاں اشارہ کرتے ہیں: (عَنْ عَلِي بْنِ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ الْعَبْدِ الصَّالِحِ ع قَالَ: الْعَقِيقَةُ وَاجِبَةٌ إِذَا وُلِدَ لِلرَّجُلِ وَلَدٌ فَإِنْ أَحَبَّ أَنْ يسَمِّيهُ مِنْ يوْمِهِ فَعَل)[11] راوی امام کاظم علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: عقیقہ واجب ہے، جب بھی کسی کے ہاں بیٹا پیدا ہو جائے تو وہ اسی دن اس بچے کا نام انتخاب کر سکتا ہے۔(عَنْ أَبِي بَصِيرٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ ع »قَالَ: سَأَلْتُهُ عَنِ الْعَقِيقَةِ أَ وَاجِبَةٌ هِي قَالَ نَعَمْ وَاجِبَة)[12] راوی نے امام صادق علیہ السلام سے عقیقہ کے بارے میں پوچھا کیا عقیقہ واجب ہے؟ حضرت نے فرمایا ہاں واجب ہے۔(عَنْ أَبِي خَدِيجَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ ع »قَالَ: كُلُّ إِنْسَانٍ مُرْتَهَنٌ بِالْفِطْرَةِ وَ كُلُّ مَوْلُودٍ مُرْتَهَنٌ بِالْعَقِيقَة)[13] راوی امام صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں: آپ نے فرمایا: ہر انسان رمضان المبارک کی فطرہ پر اور ہر نومولود اس کے عقیقہ پر منحصر ہے۔(عَنْ عُمَرَ بْنِ يزِيدَ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ ع »قَالَ سَمِعْتُهُ يقُولُ كُلُّ امْرِئٍ مُرْتَهَنٌ يوْمَ الْقِيامَةِ بِعَقِيقَتِهِ وَ الْعَقِيقَةُ أَوْجَبُ مِنَ الْأُضْحِيةِ)[14] راوی امام صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں: میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا: قیامت کے دن ہر شخص اپنے عقیقہ پر منحصر ہے اور یہ عقیقہ قربانی سے زیادہ واجب ہے۔

مشہور فقہاء کے مطابق بچے کی پیدائش کے ساتویں دن ایک بکری ذبح کرنا مستحب ہے۔[15] بچے کو آفات سے بچانے کے لیے عقیقہ کرنا اور اس کا گوشت کم از کم دس لوگوں کو کھلانا چاہیے۔ مستحب ہے کہ ولادت کے ساتویں دن عقیقہ کیا جائے اور کسی وجہ یا بغیر کسی وجہ کے تاخیر کرنے سے عقیقہ ساقط نہیں ہوتا، بلکہ اگر اس کا عقیقہ نہ

ہو اور وہ بالغ ہو جائے تو اپنی طرف سے خود عقیقہ کرے، اور خود اپنی زندگی میں اپنا عقیقہ نہ کرے تو اس کی موت کے بعد اس کا عقیقہ کر سکتے ہیں اور ضروری ہے کہ عقیقہ اونٹ، گائے یا دنبے یا بکرے کا ہو۔ عقیقہ کا مناسب وقت ساتواں دن ہے اور اگر کسی وجہ سے ساتویں دن نہ کیا گیا تو اس کے بعد کیا جاتا ہے اور اگر اس شخص کے لیے نہ کیا گیا تو وہ شخص بلوغت کے بعد اپنے لیے عقیقہ کرتا ہے۔ بڑھاپے اور میت کا عقیقہ بھی مستحب ہے۔ عقیقہ کی قیمت میں صدقہ دینا عقیقہ کے لیے کافی نہیں ہے۔

حدیث میں مذکور ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ عقیقہ کے لیے جانور کی بہت تلاش کی ہے لیکن مل نہیں سکا پس آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ اس کی قیمت صدقہ کر دی جائے آپ نے فرمایا: پھر تلاش کرو اور کہیں سے حاصل کرو کیونکہ حق تعالی خون بہانے اور کھانا کھلانے کو دوست رکھتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ امام (ع) سے پوچھا گیا کہ جو بچہ پیدائش کے ساتویں دن مر جائے تو کیا اس کا عقیقہ کرنا واجب ہے؟ فرمایا کہ اگر ظہر سے پہلے فوت ہو تو نہیں کرنا چاہیے لیکن اگر ظہر کے بعد فوت ہو جائے تو اس کا عقیقہ کرنا چاہیے۔

عقیقہ کے روحانی اور معنوی اثرات کو دیکھتے ہوئے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے خود کو اس کا پابند سمجھا اور اپنی اولاد کو اس کے روحانی والہی فوائد سے مستفید کیا۔ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی زندگی سے جو روایات منقول ہوئی ہیں ان میں ارشاد ہے: «إِنَّ فَاطِمَةَ(س) عَقَّتْ عَنِ الْحَسَنِ وَ الْحُسَينِ(ع) »[16] حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے حسن و حسین (علیہما السلام) کا عقیقہ انجام دیا۔" اس معاملے کی طرف حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی خصوصی توجہ اور بچوں کی زندگی اور روح میں اس کی اہمیت اس وقت زیادہ واضح ہو جاتی ہے جب ہم جانتے ہیں کہ اگرچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام حسن اور امام حسین (علیہما السلام) کا عقیقہ کیا تھا، جیسا کہ روایت میں ذکر ہوا ہے: "سَمّٰى رَسوُلُ اللهِ (صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلّم) حَسَناً و حُسَيْناً (علیهما السلام) يَوْمَ سٰابِعِهِمٰا وَعَقَّ عَنْهُمٰا شٰاةً شٰاةً"[17] امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتویں دن حسن اور حسین علیہما السلام کا نام رکھا اور ان میں سے ہر ایک کی طرف سے ایک گوسفند کا عقیقہ کیا۔

لیکن حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے بھی اپنی طرف سے عقیقہ انجام دیا۔ یہ بھی منقول ہے: «عَقَّ رَسُولُ اللَّهِ(ص) عَنِ الْحَسَنِ بِيدِهِ »[18] پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے امام حسن (علیہ السلام) کا عقیقہ کیا" اس بنا پر شیخ حر عاملی نے کتاب وسائل الشیعہ میں ایک فرزند کے لئے متعدد عقیقہ کے جواز کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا والدین کو چاہیے کہ وہ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کو اسوہ قرار دیتے ہوئے اپنے بچوں کے جسمانی اور روحانی سلامتی کی خاطر سرمایہ گذاری کریں جو کہ بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے اور اپنی اولاد کی زندگی کا آغاز قرب الہی سے کریں۔

احادیث میں عقیقہ کی تاکید سے یہی بات سمجھ میں آتا ہے کہ اسلامی ثقافت میں عقیقہ کی بہت زیادہ اہمیت ہے اور اس کے نتیجے میں بہت سے اچھے کام ہوتے ہیں۔ امام صادق علیہ السلام ایک روایت میں عقیقہ کی اہمیت کے بارے میں فرماتے ہیں: «کلُ مَوْلُودٍ مُرْتَهَنٌ بِالْعَقِيقَةِ»[19] اس روایت کے مطابق یہ کہا جا سکتا ہے کہ بچے کے جسمانی اور روحانی سلامتی اسی قربانی پر منحصر ہے۔ واضح رہے کہ اس معاملے میں جہاں تک احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی صرف بچوں کے ساتھ مختص نہیں ہے۔ یعنی اگر کسی نے بچپنے میں عقیقہ انجام نہیں دیا ہو تب بھی اس کی صحت و سلامتی کا انحصار قربانی پر ہے۔ بعض اوقات کسی شخص کو تکلیفیں اور بیماریاں آتی ہیں جو بہت مسلسل اور پریشان کن ہوتی ہیں اور منطقی طور پر قابل قبول نہیں ہوتیں، اس کی ایک وجہ بچپن میں عقیقہ نہ کرنا بھی ہوسکتا ہے۔ روایت میں آیا ہے کہ ایک شخص نے امام صادق علیہ السلام سے پوچھا: «إنّي وَ اللَّهِ مَا أَدْرِي كانَ أَبِي عَقَّ عَنّي أَمْ لَا قَالَ فَأَمَرَنِي أَبُو عَبْدِ اللَّهِ(ع) فعَقَقْتُ عنْ نَفْسِي وَ أَنَا شَيخٌ»[20] میں اس بات سے واقف نہیں ہوں کہ میرے والد نے میرا عقیقہ انجام دیا ہے یا نہیں؟ امام نے فرمایا: اپنے لیے عقیقہ کرو۔ میں نے اپنے لئے عقیقہ کیا جبکہ میں بوڑھا ہو چکا تھا۔ درحقیقت امام کا بڑھاپے میں عقیقہ کرنے کا حکم دینا اس کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ ذمہ داری انسان کے کندھوں پر ہے اور یہ ذمہ داری اس وقت تک ساقط نہیں ہوتا جب تک یہ کام انجام نہ پائے۔

عقیقہ کے بارے میں مذکورہ دعاؤں میں ایسے نکات ہیں جو غیر مادی امور کے حوالے سے اس کی اہمیت کو واضح کرتے ہیں۔ «اللَّهُمَّ عَقِيقَةٌ عنْ فلَانٍ لَحْمُهَا بِلَحْمِهِ وَ دَمُهَا بِدَمِهِ وَ عَظْمُهَا بِعَظْمِهِ اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ وِقَاءً لِآلِ مُحَمَّدٍ(ص) یعنی: "اے اللہ: یہ اس شخص کا عقیقہ ہے اس کا گوشت اس کے گوشت کے مقابلہ میں اس کی ہڈی اس کی ہڈی کے مقابلہ میں اور اس کا خون اس کی خون کے مقابلہ میں۔ اے اللہ اس قربانی کو آل محمد (ص) کی حفاظت کا ذریعہ بنا دے۔ «إذَا ذَبَحْتَ فَقُلْ .. الشُّكرَ لِرِزْقِهِ وَ الْمَعْرِفَةَ بِفَضْلِهِ عَلَينَا؛ جب تم ذبح کرو تو کہو کہ اے اللہ میں یہ قربانی اس نعمت کے شکر میں ذبح کر رہا ہوں جو تو نے ہمیں عطا کی ہے اور اس علم اور معرفت کی خاطر جو ہمارے اوپر تیرا افضل ہے۔ «لَک سُفِکتِ الدِّمَاءُ لَا شَرِيک لَک وَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعالَمِينَ اللَّهُمَّ اخْسَأِ الشَّيطَانَ الرَّجِيم؛ اے معبود تیرے لیے خون بہایا جاتا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں اور تمام تعریفیں آپ کی ذات کے ساتھ مختص ہے۔ اے معبود شیطان کو ذلیل کر دے"۔[21]

ان دعاؤں میں جو باتیں بیان ہوئی ہیں وہ یہ ہیں کہ یہ قربانی بچے کی صحت اور سلامتی کے مقابلہ میں ایک فدیہ ہے اور دوسرا نکتہ یہ کہ یہ قربانی بچے کی طرف سے ہے اور اس کی نیت کے مطابق ذبح کی گئی ہے اور اس کی نیت

قرب خداوند کو حاصل کرنا ہے۔ ایک اور نکتہ یہ ہے کہ عقیقہ کی اس دعا میں خدا سے یہ تقاضا کیا جاتا ہے کہ وہ شیطان کو ذلیل کر دے۔ درحقیقت عقیقہ اس نیت سے کیا جاتا ہے کہ بچے کی جسمانی اور روحانی سلامتی کے حصول کے ساتھ ساتھ قرب خداوندی اور شیطان اس سے دور ہو۔

عقیقہ کرنے کی حکمت

اس حکم میں بھی دیگر احکام کی طرح حکمت پوشیدہ ہیں۔ ہم ان میں سے دو حکمتوں کا ذکر احادیث کی روشنی میں بیان کرتے ہیں۔

ا۔اولاد کی صحت و سلامتی

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: جب تم عقیقہ کرو تو کہو: اے اللہ: یہ اس شخص کا عقیقہ ہے اس کا گوشت اس کے گوشت کے مقابلہ میں اس کی ہڈی اس کی ہڈی کے مقابلہ میں اور اس کا خون اس کی خون کے مقابلہ میں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہر بیٹا (بچہ) اپنے عقیقہ پر منحصر ہے، جو اس کے لیے ساتویں دن ذبح کیا جاتا ہے"۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: «كلُ مَوْلُودٍ مُرْتَهَنٌ بِالْعَقِيقَةِ؛»[22] ہر بچہ اپنے عقیقہ کے عوض گروی ہے۔

۲۔ مسلمانوں کو کھانا کھلانا

بعض روایات کے مطابق عقیقہ کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے کھانے کا دستر خوان بچھایا جائے۔ البتہ یہ بات واضح ہے کہ یہ اچھا سلوک بچے کے مستقبل پر بھی اثر انداز ہوتا ہے اور اس عمل میں خدا کا ایک قسم کا شکر بھی مضمر ہے۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: "تولد کے ساتویں دن بچے کا عقیقہ کرو... عقیقہ کو اس کی ہڈیوں کو توڑے بغیر ٹکڑے ٹکڑے کر دو، اور کھانا پکانے کے بعد مسلمانوں کے ایک گروہ کو (تیار شدہ کھانا کھانے کی) دعوت دو۔"[23] عقیقہ کے گوشت کا ایک چوتھائی دائی کو دے اور اگر دائی نہ ہو تو بچے کی ماں جس کو چاہے دے اور دس مسلمانوں کو کھانے پر بلائے اور اگر زیادہ ہو تو زیادہ بہتر!"[24] عبداللہ بن بکیر کہتے ہیں: ہم امام صادق علیہ السلام کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے چچا کی طرف سے ایک قاصد آیا اور کہا: آپ کے چچا نے پوچھا ہے: ہم نے اپنے بیٹے کا عقیقہ کرنا تھا لیکن ہمیں کوئی حیوان نہیں ملا۔ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ کیا ہم یہ رقم صدقہ کر دیں؟ امام نے فرمایا: نہیں؛ خدا کو بچے کی پیدائش کے لیے خون بہانا اور دوسروں کو کھانے کی دعوت دینا پسند ہے"[25]

عقیقہ کے آداب اور شرائط

عقیقہ کرنے والے جانور اور بچے کی جنسیت کا ایک ہونا ضروری ہے یعنی اگر بچہ لڑکا ہو تو عقیقہ کسی نر جانور کا ہو اور

اگر بچہ لڑکی ہو تو عقیقہ کسی مادہ جانور کا ہو اس بارے میں مختلف روایات موجود ہیں۔ امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے: اگر بچہ لڑکا ہو تو اس کے لئے کسی نر جانور کا عقیقہ کرو اور اگر بچہ لڑکی ہو تو اس کے لیے مادہ جانور سے عقیقہ کرو۔[26] البتہ ایک اور روایت میں امام صادق علیہ السلام سے لڑکی اور لڑکے کے عقیقہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: "لڑکی اور لڑکے کا عقیقہ ایک جیسا ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔[27] روایات کے مطابق فقہا بھی اس مسئلہ میں یکساں رائے نہیں رکھتے ہیں۔ اس لیے بعض فقہاء نے کہا ہے: لڑکے کے لیے نر بھیڑ اور لڑکی کے لیے مادہ بھیڑ ذبح کی جائے[28] اور عقیقہ بھی صرف بھیڑ کا ہو۔ البتہ بعض دوسرے فقہاء کے مطابق: بہتر یہ ہے کہ عقیقہ پہلے بھیڑ پھر اونٹ اور پھر کسی بھی ایسی جانور کی ہو جس کی قربانی کی جا سکتی ہو۔[29] بعض فقہاء کے مطابق مستحب ہے کہ لڑکے کا عقیقہ نر جانور اور لڑکی کا عقیقہ کسی مادہ جانور کے ذریعہ کیا جائے لیکن اگر جانور فرزند کے جنس کے مطابق نہ بھی ہو تب بھی کافی ہے۔[30]

فقہاء کی مختلف روایات اور اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی کا عقیقہ کرنا ہو تو بہتر بھیڑ ہے لیکن اگر دوسرے جانور جیسے گائے یا اونٹ وغیرہ سے عقیقہ کرنا چاہیے تو یہ بھی کافی ہے۔ نیز فرزند اور عقیقہ کے جانور کے درمیان جنسیت اگر یکساں ہو تو یہ بہت ہی افضل ہے لیکن اگر جنسیت کے اعتبار سے ان میں فرق ہو تب بھی کوئی حرج نہیں اور یہ کافی ہے۔

بعض فقہاء[31] کے مطابق جس جانور کا عقیقہ کیا جائے اس میں قربانی کی شرائط ہونی چاہئیں۔[32] یعنی عیب دار اور کمزور نہ ہو، اس کی عمر[33] کی بھی رعایت کی جائے، لیکن اگر قربانی کی یہ شرائط موجود نہ ہو تب بھی کافی ہے۔ جیسا کہ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "بے شک عقیقہ، ایک گوسفند کی گوشت ہے (یعنی مقصد گوشت ہے) عقیقہ کے لیے کوئی بھی گوسفند ذبح کیا جائے کافی ہے، لیکن جتنی موٹی ہو، اتنا ہی بہتر ہے"۔[34]

ضروری ہے کہ عقیقہ کا جانور اگر اونٹ ہے تو پانچ سال کا یا چھٹے سال میں یا اس سے زیادہ عمر کا ہو، اگر بکری ہے تو ایک سال کی یا دوسرے سال میں یا اس سے زیادہ عمر کی ہو اور اگر بھیڑ ہے تو کم از کم چھ یا سات ماہ کی ہونی چاہیے اور سات ماہ پورے ہو چکے ہوں تو زیادہ بہتر ہے نیز جانور خصی نہیں ہونا چاہیے اور سینگ ٹوٹا، کان کٹا، لاغر، اندھا اور لولا لنگڑا بھی نہیں ہونا چاہیے اور اگر لنگڑا ہو تو ایسا نہ ہو کہ چل پھر نہ سکے۔

عقیقہ کی دعا

روایت کے مطابق عقیقہ کرتے وقت اس دعا کو پڑھنا چاہیے: «بِسْمِ اللهِ وَبِاللهِ اَللّٰہُمَّ عَقِیقَةٌ عَنْ فُلانٍ، لَحْمُہا بِلَحْمِہِ وَدَمُہا بِدَمِہِ،وَعَظْمُہا بِعَظْمِہِ اَللّٰہُمَّ اجْعَلْہا وِقاءً لاٰلِ مُحَمَّدٍ عَلَیْہِ وَآلِہِ السَّلام» خدا کے نام سے، اے معبود یہ عقیقہ فلاں کی طرف سے ہے اس کا گوشت اس کے گوشت کا اس کا خون اس کے خون کا اس کی ہڈیاں اس کی ہڈیوں کا بدلہ ہے اے معبود تو اسے آل محمد کے لئے حفاظت کا ذریعہ بنا ان پر اور ان کی

آل پر درود و سلام ہو۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا جب تم عقیقہ کرنا چاہو تو اس دعا کو پڑھو: «یَا قَوْمِ إِنِّي بَرِیءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَO إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَاْ مِنَ الْمُشْرِكِينَO (6: 78:79) إِنَّ صَلاَتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَO لاَ شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَاْ أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَO (6: 162:163) اللَّهُمَّ مِنْکَ وَ لَکَ بِسْمِ اللهِ وَ اللهُ أَکْبَرُ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ وَ تَقَبَّلْ مِنْ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ»[35] اے میری قوم میں بری ہوں اس سے جسے تم خدا کا شریک بناتے ہو میں نے اپنا رخ اس کی طرف کیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا میں نرا کھرا مسلمان ہوں اور مشرکوں میں سے نہیں ہوں یقیناً میری نماز میری عبادت میری زندگی میری موت اللہ کے لئے ہے جو جہانوں کا رب ہے جس کا کوئی شریک نہیں یہی حکم مجھے دیا گیا ہے اور میں سر جھکانے والوں میں سے ہوں اے خدا تیرے لئے اور تجھ سے ہے خدا کے نام خدا کے ساتھ اور اللہ بزرگ تر ہے اے معبود رحمت نازل فرما محمد وآل (ع) محمد پر اور فلاں ابن فلاں سے قبول فرما۔

عقیقہ کے بعد کی دعا

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: جب عقیقہ کے جانور کو ذبح کیا جائے تو اس کے بعد اس دعا کو پڑھو: «وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِی فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَ الْأَرْضَ حَنِیفاً مُسْلِماً وَ مَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِکِینَ إِنَّ صَلَاتِی وَ نُسُکِی وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِی لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِینَ لَا شَرِیکَ لَهُ اللَّهُمَّ مِنْکَ وَ لَکَ اللَّهُمَّ هَذَا عَنْ فلاں فلاں کا بیٹا"۔[36]

امام باقر علیہ السلام سے بھی روایت ہے کہ عقیقہ کے جانور کو ذبح کرتے وقت اس دعا کو پڑھنا چاہیے: «بِسْمِ اللهِ وَ بِاللهِ وَ الْحَمْدُ للهِ وَ اللهُ أَکْبَرُ إِیمَاناً باللهِ وَ ثَنَاءً عَلَی رَسُولِ الله وَ الْعِصْمَةَ لِأَمْرِهِ وَ الشُّکْرَ لِرِزْقِهِ وَ الْمَعْرِفَةَ بِفَضْلِهِ عَلَیْنَا أَهْلَ الْبَیْتِ فَإِنْ کَانَ ذَکَراً فَقُلِ- اللَّهُمَّ إِنَّکَ وَهَبْتَ لَنَا ذَکَراً وَ أَنْتَ أَعْلَمُ بِمَا وَهَبْتَ وَ مِنْکَ مَا أَعْطَیْتَ وَ کُلُّ مَا صَنَعْنَا فَتَقَبَّلْهُ مِنَّا عَلَی سُنَّتِکَ وَ سُنَّةِ نَبِیِّکَ وَ رَسُولِکَ وَ اخْسَأْ عَنَّا الشَّیْطَانَ الرَّجِیمَ لَکَ سُفِکَتِ الدِّمَاءُ لَا شَرِیکَ لَکَ وَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِینَ»۔[37]

عقیقہ کے گوشت کو تقسیم کرنے کا طریقہ

مستحب ہے کہ عقیقہ کرنے کے بعد اس کی ہڈیوں کو نہ توڑا جائے بلکہ ہڈیوں کو ہر جوڑ سے الگ کر دیا جائے۔[38] لیکن عقیقہ کی ہڈیوں کو دفن کرنا مستحب نہیں ہے۔[39] دائی کو گوسفند کا ایک ران[40] یا ایک تہائی[41] یا ایک چوتھائی[42] دینا مستحب ہے۔ اگر دائی بچے کی دادی ہو یا اگر وہ اس کے زیر کفالت افراد میں سے ہو تو اس صورت میں دائی کو کوئی حصہ نہیں دیا جائے گا۔[43] اگر فرزند کسی دائی کے بغیر متولد ہوا ہو تو عقیقہ کا گوشت اس کی ماں کو

دیا جاتا ہے اور وہ اپنی مرضی سے جسے چاہے دے سکتی ہے۔[44] اور بقیہ گوشت کو ضرورت مند مومنین کے درمیان تقسیم کریں، لیکن بہتر یہ ہے کہ باقی گوشت کو پانی اور نمک کے ساتھ پکائیں اور وہ اس کا گوشت کم از کم دس مومنین کو کھلائیں، اور افراد جتنے زیادہ ہوں گے، اتنی ہی زیادہ فضیلت ہوگی۔[45]

والدین اور وہ لوگ جن کے اخراجات بچے کا باپ اٹھاتا ہے عقیقہ کا گوشت نہ کھائیں، اسی طرح بہتر ہے کہ اس گوشت کے ساتھ بنا ہوا کھانا بھی نہ کھائیں۔ ماں کے لئے عقیقہ کا گوشت کھانا زیادہ مکروہ ہے لیکن اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ ماں اپنے غریب پڑوسی کو عقیقہ کا گوشت دے۔[46] بچے کی پیدائش کے ساتویں دن بچے کا بال منڈوانا اور اس کے بال کے وزن کے برابر سونا یا چاندی صدقہ دینا اور عقیقہ ایک ساتھ انجام دینا چاہیے[47] لیکن مستحب یہ ہے کہ پہلے بچے کا سر منڈوایا جائے اور پھر عقیقہ کرنا چاہیے۔[48]

عقیقہ کا مختصر فقہی حکم

۱۔ بیٹے یا بیٹی کے لئے عقیقہ کرنا مستحب ہے۔

۲۔ پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کرنا مستحب ہے۔

۳۔ اگر والدین بچے کا عقیقہ نہ کریں تو اس کی استحباب ختم نہیں ہوگی لہٰذا بچہ بلوغت کے بعد اپنا عقیقہ کر سکتا ہے۔

۴۔ میت کی طرف سے عقیقہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

۵۔ عقیقہ اونٹ یا گائے یا بھیڑ یا بکری کا ہونا ضروری ہے۔

۶۔ عیدالاضحیٰ کی مستحب قربانی عقیقہ کے لئے کافی ہے۔

۷۔ عقیقہ کے جانور کا صحت مند اور موٹا ہونا مستحب ہے۔

۸۔ عقیقہ کا گوشت ہڈیوں کو توڑے بغیر جدا کرنا بہتر ہے۔

۹۔ عقیقہ کا چوتھائی حصہ دائی کو دینا مستحب ہے اور اس میں جانور کی ران اور ٹانگ بھی شامل ہو۔

۱۰۔ عقیقہ کو کچے اور پکے دونوں طریقوں سے تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۱۔ پکا ہوا عقیقہ متعدد مومنین کو کھلانا مستحب ہے اور اگر دس یا اس سے زیادہ لوگ ہوں تو اسے کھائیں اور بچے کے لیے دعا کریں۔

۱۲۔ باپ اور جو شخص اس کی روٹی کھاتا ہے (خاص طور پر ماں) کا عقیقہ کا گوشت کھانا کرنا مکروہ ہے۔

۱۳۔ ہر عقیقہ صرف ایک شخص کے لئے شمار ہوگا۔

۱۴۔ عقیقہ کے بدلے عقیقہ کا صدقہ دینا کافی نہیں ہے۔

فقہی احکام کا تربیتی تجزیہ و تحلیل سے مراد

فقہی احکام کا تربیتی تجزیہ و تحلیل ایک عقلی کاوش ہے جو قرآن و سنت، استدلال اور تجربے سے حاصل کردہ حقائق پر مبنی ہے تاکہ احکام کے اسباب، اسرار اور حکمتوں کی چھان بین کے ساتھ ساتھ تربیتی پہلو سے احکام فقہی پر عملی پابندی کے اثرات و نتائج کو پیش کرسکے۔[49]

فقہی احکام کے تربیتی تجزیہ و تحلیل کے لیے ضروری اقدامات

فقہی احکام کے تربیتی تجزیے کے لیے کچھ اقدامات ضروری ہیں جنہیں ہم یہاں اختصار کے ساتھ پیش کریں گے۔

ا۔ موضوع سے متعلق حکم یا احکام کے مجموعہ کو معین کرنا

پہلے مرحلے میں کسی بھی موضوع کے حکم یا احکام کے مجموعے کو خواہ وہ تربیتی ہو یا غیر تربیتی معین کیا جاتا ہے۔ کبھی موضوع بہت ہی جزئی اور اس کا ایک ہی حکم ہوتا ہے جیسے غیر ممیّز بچے کے ذبح کا جائز ہونا، لیکن کبھی موضوع کلی اور اس کے مختلف زاویے اور پہلو ہوتے ہیں جس کی بنا پر ہر ایک کا جدا جدا حکم ہے۔ مثال کے طور پر عقیقہ کے استحباب کا حکم لیکن اس کے ساتھ ساتھ اور بھی اس کے مختلف جزئی احکام ہیں جیسے عقیقہ کا وقت، عقیقہ کے اقسام، عقیقہ کرنے کا طریقہ وغیرہ۔ لہٰذا جہاں موضوع کے مختلف جہات ہو وہاں اس موضوع سے مربوط جتنے بھی احکام ہیں ان سب کا معین ہونا ضروری ہے۔

۲۔ فقہاء کے استدلال اور فقہی منابع کی طرف مراجعہ کرنا

دوسرے مرحلے میں محقق فقہی منابع اور فقہاء کے استدلال کے طریقہ کار کا مشاہدہ کرتا ہے۔ یعنی فقہاء نے فقہی احکام استنباط کرنے کے لیے کونسی عقلی، قرآنی اور روایتی دستاویزات سے استفادہ کیا ہے؟ یقینا ایک محقق فقہاء کی طرف سے بیان شدہ تجربات اور معلومات کو تربیتی تجزیہ و تحلیل اور تربیتی نکات بیان کرنے کے لئے استعمال کرے گا۔

۳۔ آیات اور احادیث کی طرف مراجعہ کرنا

تیسرے مرحلے میں محقق کو موضوع سے متعلق آیات اور احادیث کی طرف مراجعہ کرنا چاہیے۔ بعض اوقات فقہاء اپنی استنباط میں آیات و روایات کی طرف اشارہ کرتے ہیں لیکن پھر بھی خود محقق کو ان آیات و روایات کی طرف رجوع کرنا چاہیے کیونکہ یہ زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ فقیہ اور محقق کا نقطہ نظر اہداف کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف ہوسکتا ہے۔ لہٰذا یہ دعوی کرسکتے ہیں کہ محقق کو ہر حال میں اس موضوع سے متعلق آیات و احادیث کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور اپنے اہداف کے مطابق ان سے استفادہ کرنا چاہیے۔

۴۔ موضوع سے متعلق تربیتی علوم اور نفسیاتی علوم کی طرف مراجعہ کرنا

فقہی احکام کے تربیتی تجزیہ و تحلیل کے لئے ایک اور قدم تربیتی علوم اور نفسیاتی علوم کے نتائج کی طرف مراجعہ کرنا ہے مخصوصا جب احکام کا موضوع ایک خاص تربیتی موضوع ہو۔ آج کل نفسیاتی علوم اور تربیتی علوم، مختلف تربیتی موضوعات کے بارے میں مفید معلومات فراہم کرتے ہیں جن کا علم محقق کو احکام کے تربیتی تجزیہ و تحلیل میں مدد کرتا ہے۔

۵۔ خود محقق کا غور و فکر کرنا

فقہی احکام کے تربیتی تجزیہ و تحلیل کرنے کے لئے محقق کو فقہ اور علوم تربیتی دونوں میں ماہر ہونا چاہیے تاکہ وہ اچھے طریقہ سے فکر کرنے کے بعد کچھ تربیتی نکات استنباط کر سکے۔ یقیناً ایک ماہر شخص ہی ذہنی اور عقلی کوشش کے ساتھ اس موضوع کے بارے میں سوچ سکتا ہے اور اپنی تجربات اور مہارت کی بنیاد پر اس موضوع کے بارے میں کچھ تجاویز پیش کر سکتا ہے۔

٦۔ تربیتی نکات استنباط کرنا

فقہی احکام کے تربیتی تجزیہ و تحلیل کا سب سے اہم مرحلہ حکم اور اس کے موضوع سے مربوط تربیتی نکات کا استنباط ہے۔ یہ مرحلہ حقیقت میں پچھلے مراحل پر مبنی ہے۔ محقق پچھلے مراحل سے حاصل کردہ معلومات کی مدد سے تربیتی نکات کا استنباط کرتا ہے اور اس کے مطابق ہی بعض موارد میں تربیتی دستور العمل فراہم کرتا ہے۔

فقہی احکام کے تربیتی تجزیہ و تحلیل کے آثار اور فوائد

فقہی احکام کا تربیتی تجزیہ و تحلیل فقہ تربیتی اور تربیت فقہی کے میدان میں اہم اثرات اور فوائد کا حامل ہے۔ ان میں سے بعض کی طرف ہم یہاں اشارہ کرتے ہیں:

ا۔ شرعی حکم کے استنباط میں مدد

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ تحلیل تربیتی، فقہی احکام کے اسباب، اسرار، اثرات اور نتائج کی تحقیق سے متعلق ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ احکام شرعی کے استنباط میں اہم کام فقہی احکام کے اسباب، اسرار، اثرات اور مصالح و مفاسد کو کشف کرنا ہے۔ مشہور شیعہ مبنا کے مطابق شرعی احکام مصالح اور مفاسد کے تابع ہیں اور اسی کے مطابق ہی احکام، واجب، حرام، مستحب، مباح اور کراہت سے متصف ہوتے ہیں۔ لہٰذا فقہی احکام کا تربیتی تجزیہ و تحلیل، مصالح و مفاسد نیز فقہی موضوعات کے مثبت اور منفی پیغامات کو کشف کرنے میں فقہ کی مدد کرتا ہے۔ مثال کے طور پر بچے کی سرپرستی خواہ لڑکا ہو یا لڑکی دو سال کے بعد کس شخص کی ذمہ داری ہے؟ اس مسئلہ میں فقہاء کے

درمیان اختلاف ہے۔ اب اگر تربیتی تجزیے کی مدد سے (خواہ آیات اور روایات کی مدد سے یا عقل اور علوم تربیتی کے ذریعہ اس حکم کی حکمت کچھ اس طرح سے کشف ہو جائے کہ ماں، بیٹی اور باپ، بیٹے کی سرپرستی اور پرورش کے لئے زیادہ موزوں ہے اور اسی میں ہی الزامی مصلحت موجود ہے اس وقت فقہاء اسی الزامی مصلحت کو مد نظر رکھتے ہوئے بیٹی کے لیے ماں اور بیٹے کے لیے باپ کی سرپرستی کے وجوب کا فتویٰ دے سکتے ہیں۔

۲۔ فقہی ثانوی عناوین کی شناخت میں مدد

فقہ میں ایک جہت سے دو قسم کے احکام موجود ہیں: پہلا حکم اولی اور دوسرا حکم ثانوی۔ حکم ثانوی سے مراد وہ حکم ہے کہ جب موضوع پر کوئی دوسرا عنوان عارض ہو جائے جیسا کہ روزہ حکم اولی کی بنا پر تمام افراد پر واجب ہیں لیکن اگر کوئی طویل مدت کے لئے بیمار ہو جائے اور روزہ نہ رکھ سکے تو پھر اس پر روزہ رکھنا واجب نہیں ہے۔

تربیتی تجزیہ و تحلیل کے نتائج میں سے ایک فقہی موضوعات پر ثانوی عناوین کے عارض ہونے کی تشخیص ہے خاص طور پر تربیتی موضوعات میں اس کی اہمیت بہت ہی زیادہ ہے کیونکہ تربیتی تجزیہ و تحلیل کے ذریعہ بعض موارد میں عناوین ثانویہ کی تشخیص ہو جاتی ہے۔ اس معنی میں کہ ایک فقہی حکم کا جو تجزیہ پیش کیا جاتا ہے اس کے کچھ خاص حکمت اور اسرار موجود ہوتے ہیں لیکن ممکن ہے کہ بعض موارد میں سماجی، تعلیمی یا اخلاقی مضر اثرات موجود ہوں اور کوئی ثانوی عنوان عارض ہو اور حکم تبدیل ہو جائے۔[50] جیسا کہ بچے کی پرورش اور اس کی دیکھ بھال کی اصل ذمہ داری باپ کی ہے لیکن کسی بھی طریقہ سے باپ کے اندر اس کی پرورش اور دیکھ بھال کے شرائط موجود نہ ہو مثلا باپ فاسد اور بدکردار ہو تو اس صورت میں اس کی سرپرستی سے بچے کے لیے ناقابل تلافی منفی تربیتی نتائج ہیں یا باپ کسی ایسی ذہنی بیماری میں مبتلا ہو جائے جس کی وجہ سے وہ بچے کی سرپرستی سے قاصر ہو تو حکم ثانوی کی بنا پر اس سے ولایت کا حق سلب ہو جاتا ہے اور بچے کی سرپرستی کی ذمہ داری کسی اور کے سپرد کی جاتی ہے۔

۳۔ فقہی تربیت میں مدد

فقہی تربیت کا تعلق اس بات سے ہے کہ لوگ کس طرح شرعی احکام پر پابندی کے ساتھ عمل کرتے ہیں۔ اسی بنا پر مسلمان اپنے گفتار، رفتار اور اعمال میں تمام شرعی احکام کو اہمیت دیتے ہوئے اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتا ہے اور شریعت کے برخلاف کوئی کام انجام نہیں دیتا۔ فقہی احکام کا تربیتی تجزیہ و تحلیل، تعلیم و تربیت کے ذمہ دار افراد اور اساتذہ کرام کے لیے مدد کرتا ہے تاکہ متربیان شرعی احکام کے اسباب، اسرار، اثرات اور نتائج سے واقف ہوں اور وہ یہ محسوس کریں کہ شرعی احکام کی پیروی ان کے لیے مثبت نتائج کا باعث بنتی ہے اور انھیں بعض ممکنہ منفی نتائج سے محفوظ رکھتی ہے۔ جب انہیں اس چیز کا علم ہو جائے تو یہی چیز انہیں شرعی احکام پر عمل کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ کیونکہ جس شخص کو اپنے عمل کے فائدہ کا علم ہو وہ عام طور پر زیادہ دلچسپی کے ساتھ

عمل کرتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں اس کے عمل کو بے نتیجہ قرار دینے والے تمام وسوسہ انگیز خیالات بھی اسے شرعی احکام پر عمل کرنے سے نہیں روک سکتا۔[51] فخر رازی کے مطابق فلسفہ احکام کی شناخت بہت زیادہ فائدہ مند ہے کیونکہ انسانی نفوس عقلی اور علمی ملاک کے مطابق احکام کو قبول کرنے کی زیادہ خواہش رکھتی ہے اور اس کے برعکس تعبدی احکام کو قبول کرنے کی طرف زیادہ رجحان نہیں رکھتا ہے۔[52]

فقہی احکام کا تربیتی تجزیہ و تحلیل اور فقہی احکام کے تربیتی پہلوؤں کو اجاگر کرنے سے زندگی میں فقہ کا مقام بالخصوص تعلیم و تربیت کے میدان میں زیادہ واضح ہو جاتا ہے اور فقہی احکام کی نسبت انسان کے افکار زیادہ مثبت ہو جاتا ہے جس کی نتیجے میں فقہ میں دلچسپی زیادہ اور احکام کی عملی پابندی میں اضافہ ہو جاتا ہے اور آخر کار فقہی تربیت پر توجہ مزید زیادہ ہو جاتی ہے۔

فقہی حکم عقیقہ کا تربیتی تجزیہ و تحلیل

ا۔ فرزند کے لیے عقیقہ کرنا، والدین کے لیے اس کے اخراجات کو مدّ نظر رکھتے ہوئے، فرزند کی دینی تربیت کے لیے ان کی اہمیت کی علامت ہے۔

۲۔ بچے کا عقیقہ کرنا گویا اس کی شخصیت کا احترام کرنا ہے اور گویا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ بچہ والدین کے لیے کتنا عزیز اور قیمتی ہے۔ اور یہ جب بچہ بڑا ہو جاتا ہے اور اسے یہ بات معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کے والدین نے معاشی مسائل کے باوجود اس کی سلامتی کی خاطر اتنا خرچہ کیا ہے تو اسے یہ احساس ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے والدین کے لئے کس قدر ارزشمند ہیں ۔اور اس بات اس کے دو اثرات ہو سکتے ہیں: پہلا یہ کہ اس کے اور والدین کے درمیان احترام کا رشتہ مضبوط سے مضبوط تر ہو جاتا ہے۔ دوسرا یہ کہ اسے یہ احساس دلاتا ہے کہ وہ والدین کے لئے کس قدر قابل ارزش ہیں جس کے نتیجہ میں اس کے اندر خوداعتمادی کو تقویت مل جاتی ہے۔

۳۔ عقیقہ کی تقریب میں لوگوں کی شرکت اور ان کا مہمان ہونا حاضرین کے لیے بچے اور اس کی پیدائش کے بارے میں ایک خوشگوار یاد پیدا کرتا ہے، اور اس کی وجہ سے وہ مستقبل میں بچے کے ساتھ بہتر انداز میں رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔ یعنی اس تقریب کی وجہ سے مہمانوں کے اندر اس بچے کے ساتھ خاص رجحان اور دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے اور نتیجتاً جب بھی وہ اسے دیکھیں گے تو فطری طور پر اس کے ساتھ حسن سلوک کریں گے اور دوسروں کے مقابلہ میں اس کے ساتھ زیادہ محبت کریں گے۔ جس کے نتیجے میں بچے کے اندر خوداعتمادی کو تقویت مل جاتی ہے جس کی بنا پر زندگی میں وہ بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرتا ہے۔

۴۔ عقیقہ کی محفل میں نیک لوگوں کی موجودگی اور بچے کے لیے ان کی دعا اس کی کامیابی اور نجات کی بنیاد فراہم کرے گی۔

۵۔ عقیقہ بچے کی زندگی کے لیے ایک قسم کا فدیہ ہے اور یہ اس کی صحت و سلامتی کا سبب بنتا ہے۔ اسی لیے گوسفند کو ذبح کرتے وقت یہ دعا پڑھتے ہیں: (اللھم عظمها بعظمه و دمها بدمه و شعرها بشعره ...)

٦۔ عقیقہ والدین اور بچے کو خدا کے قریب لاتا ہے، اور یہ والدین کے بارے میں واضح ہے کیونکہ وہ خدا کی رضا کے لیے عقیقہ کرتے ہیں۔ عقیقہ کے دوران جو دعا پڑھی جاتی ہے اس میں یہ موجود ہیں: (لک سفکت الدماء لا شریک لک و الحمد لله رب العالمین) اے اللہ میں نے یہ خون تیرے لیے انجام دیا ہے۔ بچے کے لئے بھی قربت خداوندی واضح ہے کیونکہ یہ قربانی اس کے لئے انجام دے رہا ہے۔ جیسا کہ عقیقہ کی دعا میں یہ موجود ہیں: (اللھم صل علی محمد و آل محمد و تقبل من فلان بن فلان) اے اللہ محمد وآل محمد پر رحمت نازل فرما اور اس قربانی کو فلاں بن فلان کے لئے قبول کر۔

۷۔ عقیقہ انسان کے لیے خدا کی نعمتوں کا ایک شکرانہ ہے۔ روایات کے مطابق فرزند خدا کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے اور یہ عقیقہ اس کی ولادت کا شکرانہ ہے: (عن ابی جعفر ع : قال اذا ذبحت فقل بسم الله و با الله و الحمد لله و الله اکبر ایمانا بالله و ثناء علی رسول الله و العصمه لامره و الشکر لرزقه)

۸۔ عقیقہ شیطان کو والدین اور اولاد سے دور رکھنے اور اس کے منفی اثرات سے بچانے کا سبب بنتا ہے۔ (لک سفکت الدما لا شریک لک و الحمد لله رب العالمین اللھم اخسأ الشیطان الرجیم)

۹۔ والدین کے لئے عقیقہ کا گوشت کھانا مکروہ ہے اسی لئے وہ اس سے پرہیز کرتے ہیں۔ والدین کا یہ عمل گویا اپنے نفس کے ساتھ مقابلہ اور ایک قسم کی خود سازی ہے اور اس کا معنوی اثر بالواسط خود بچے تک پہنچتا ہے کیونکہ والدین بچوں کے لیے عملی رول ماڈل ہیں اور شائستہ والدین ہی شائستہ بچوں کی پرورش کر سکتے ہیں۔

۱۰۔ عقیقہ کرنا ضرورت مندوں کے لیے ایک طرح کی معاشی امداد ہے اور اس سے معاشرے میں ضرورت مندوں کی عزت نفس بلند ہو جاتی ہے اور معاشرے میں بدعنوانی کم ہو جاتی ہے، اور یہ بالآخر معاشرے کے ماحول کو سالم بنانے میں مدد کرتا ہے۔ سالم ماحول میں ہی صحت مند اور سالم افراد کی تربیت کر سکتا ہے۔

۱۱۔ مومنین کی کسی جماعت کو کسی محفل میں مدعو کرنا اور جشن منانا، [جیسا کہ روایات میں بھی اس کی تاکید کی گئی ہے] مومنین کا ایک دوسرے سے زیادہ مانوس ہونے اور مومنین کے نیٹ ورک کی تشکیل کا سبب بنتا ہے اور ان میں مزید اتحاد اور ہمدردی پیدا ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ ایک سالم اور باایمان معاشرے کی تشکیل کا سبب بنتا ہے۔ باایمان اور سالم معاشرہ ہی اپنے افراد کی تربیت کر سکتا ہے۔

۱۲۔ والدین عاطفی مسائل کی بناپر تسلی اور حوصلہ افزائی محسوس کرتے ہیں کیونکہ لوگوں نے ان کی خوشیوں میں

شرکت کی ہے اور یہ ان میں مزید خوشی اور مسرت فراہم کرنے کے علاوہ، ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ قائم رکھنے کے لئے ایک تعمیری جذباتی جذبہ پیدا کرتا ہے۔

۱۳۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی راہ خدا میں قربانی کی یاد دہانی ہے اور تمام والدین کے لئے خداوند متعال کے احکام کی تعمیل کی راہ میں ایک درس ہے۔

*****

References

1. Zain al-Din bin Ali (Shaheed Saani), Amili, *Masalik al-Afham*, Vol. 8 (Beirut, Mohsah Al-Alami Lilmatbohaat, 4141 AH), 424.

زین الدین بن علی (شہید ثانی)، عاملی، *مسالک الافہام*، ج8 (بیروت، مؤسسہ الاعلمی للمطبوعات، 4141ق)، 424۔

2. Allama Hilli, Tazkara-al Foqaha, Vol.4, (…), 335.

حلی، حسن بن یوسف، *تذکرۃ الفقہاء*، ج4 (قم، موسسۃ آل البیت، علیہم السلام بإحیاء التراث، الطبعہ الاولی، 1414ق)، 335۔

3. Muhammad Hassan, Najafi, *Jawaharlal Kalam fi Sharh Shariah al-Islam*, Vol. 31, Chaap. II (Tehran, Kitabfuroshi Islamiya, 1366 SH), 291.

محمد حسن، نجفی، *جواہر الکلام فی شرح شرائع الاسلام*، ج31، چاپ دوم (تہران، کتابفروشی اسلامیہ، 1366)، 291۔

4. Muhammad Mehdi, Naraqi, *Jami al-Saadat*, Vol. 1 (Qum, Intasharat Ismailiyan, 1428 AH), 271-272.

محمد مہدی، نراقی، *جامع السعادت*، ج1 (قم، انتشارات اسماعیلیان، 1428ق)، 271-272۔

5. Fakhir al-Din, Tareehi, *Majma Al-Bahreen*, Vol. 5 (Tehran, Kitab-Forushi Murtazawi, 1375 SH), 215.

فخر الدین، طریحی، *مجمع البحرین*، ج5 (تہران، کتابفروشی مرتضوی، 1375ش)، 215۔

6. Tusi, *al-Mabusut fi Fiqh al-Imamia*, Mohaqaq, Masahih, Syed Muhammad Taqi, Kashfi, Vol. 1, Chaap III (Tehran, Al-Muktaba al-Martazwiyyah Ilahya al-Asaar Jafriat, 1387 AH), 394.

طوسی، *المبسوط فی فقہ الامامیۃ*، محقق، مصحح، سید محمد تقی، کشفی، ج1 چاپ سوم (تہران، المکتبۃ المرتضویۃ بإحیاء الآثار الجعفریۃ، 1387ق)، 394۔

7. Ali bin Hussain Mousavi, Sharif Murtaza, *Al-Intisar fi Infradat al-Imamia* (Qum, Dafftar Intasharat-e-Islami, 1415 AH), 406.

علی بن حسین موسوی، شریف مرتضی، الانتصار فی انفرادات الإمامیۃ (قم، دفتر انتشارات اسلامی، 1415ق)، 406۔

8. Ruhollah, Khomeini, *Tahrir al-Wasila*, Vol. 4 & 2 (Qum, Mowsa Matboati Ismailian, 1390 SH.), 448.

روح اللہ، خمینی، تحریر الوسیلہ، ج 1 و2 (قم، مؤسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان، 1390)، 448۔

9. Jama man al-Muhaqiqin, *Mas'ssehat Ahkam al-Atfaal wa Adaltaha* (Qum, Makaz Fiqhe Iamamah Athar (A.S), 1435 AH), 406.

جمع من المحققین، موسوعۃ احکام الأطفال وادلتہا (قم، مرکز فقہی ائمہ اطہار علیہم السلام، 1435ق)، 406۔

10. Ilm al-Hadah, Al-Sharif al-Murtaza, *Al-Intasar fi Infaradat al-Imamiyah*, (Qum, Mas'sseh al-Nashar al-Islami, 1415 AH), 406.

علم الہدی، الشریف المرتضی، الانتصار فی انفرادات الإمامیۃ، (قم، مؤسسہ النشر الاسلامی، 1415ق)، 406۔

11. Muhammad bin Hasan, Har Aamili, Tafseel *Wasahil al-Shiat Ila Tahsil Masail al-Shari'at*, Chap. 38 (Qum, Mowsa Al-Al-Bayat (a.s.), 1409 AH) 413, Hadith: # 5.

محمد بن حسن، حر عاملی، تفصیل وسائل الشیعۃ إلی تحصیل مسائل الشریعۃ، باب 38 (قم، مؤسسۃ آل البیت (ع)، 1409ق) 413، رقم الحدیث: 5۔

12. Ibid.

ایضاً۔

13. Ibid, 413, Hadith: # 2.

ایضاً، 413، رقم الحدیث: 2۔

14. Ibid, 412, Hadith: # 1.

ایضاً، 412، رقم الحدیث: 1۔

15. Hasan bin Yusuf bin Mutahar, Hali, *Al-Shia'a Fi Ahkam al-Sharia*, Vol. 7, Chap. II, (Qum, Dafftar Intasharat-e-Islami, 1413 AH.), 303; Muhammad bin Mansoor bin Ahmad, Ibn Idrees, Hali, *al-Sarrayr al-Hawi al- Tahrir al-Fatawi*, Vol. 2, Chaap. II (Qum, Dafftar Intasharat-e-Islami, 1410 AH), 646; Sheikh Tusi, *al-Khilaf*, Mohaqaq, Masahih, Ali Khorasani, Syed Jawad Shahrasatani, Mehdi Taha Najaf, Mujtaba al-Iraqi, Vol.6 (Qum, Dafftar Intasharat-e-Islami, 1407 AH), 67; Yahya bin Saeed, Hali, Mukhtalif al-Shiat fi *Ahkam* llal-Shari'a (Qum, Dafftar Intasharat-e-Islami, 1405 AH), 458; Syed Sadiq, Hussaini Ruhani Qummi, *Fiqh al-Sadiq (A.S.)*, Vol. 22 (Qum, Darul Kitab, Madrasah Imam Sadiq (A.S.), 1412 AH), 287.

حسن بن یوسف بن مطہر، حلّی، *مختلف الشیعۃ فی اِحکام الشریعۃ*، ج7، چاپ دوم (قم، دفتر انتشارات اسلامی، 1413 ق)، 303؛ محمد بن منصور بن احمد، ابن ادریس، حلّی، *السرائر الحاوی لتحریر الفتاوی*، ج2، چاپ دوم (قم، دفتر انتشارات اسلامی، 1410 ق)، 646؛ شیخ طوسی، *الخلاف*، محقق، مصحح، علی خراسانی، سید جواد شہرستانی، مہدی طہ نجف، مجتبی عراقی، ج6 (قم، دفتر انتشارات اسلامی، 1407 ق)، 67؛ یحیٰی بن سعید، حلّی، *الجامع للشرائع* (قم، مؤسسۃ سید الشہداء العلمیۃ، 1405)، 458؛ سید صادق، حسینی روحانی قمّی، *فقہ الصادق (ع)*، ج22 (قم، دار الکتاب، مدرسہ امام صادق (ع)، 1412ق)، 287۔

16. Muhammad bin Ali, Saduq, Ayun Akhbar al-Raza (a.s), Vol. 2 (Tehran, Nashar Jahan, 1378 SH), 46.

محمد بن علی، صدوق، *عیون اِخبار الرضا علیہ السلام*، ج2 (تہران، نشر جہان، 1378ق)، 46۔

17. Muhammad bin Yaqoob, Kalini, *Al-Kafi*, Mohaqaq, Muhammad Ali Akbar, Ghafari, Akhundi, Vol. 6, Chaap. IV (Tehran, Dar al-Kitab al-Islamiyah, 1407 AH), 33, Hadith: # 5.

محمد بن یعقوب، کلینی، *الکافی*، محقق، محمد علی اکبر، غفاری، آخوندی، ج6، چاپ چہارم (تہران، دار الکتب الاِسلامیۃ، 1407ق)، 33، رقم الحدیث: 5۔

18. Har Aamili, *Tafseel Wasahil al-Shiat Ila Tahsil Masail al-Shari'at*, Vol. 21, 430.

حر عاملی، *تفصیل وسائل الشیعۃ اِلی تحصیل مسائل الشریعۃ*، ج21، 430۔

19. Sadouq, *Man la Yahzrah al-Faqih*, Mohaqaq, Masahih, Ghafari, Ali Akbar, Vol. 3, Chaap II (Qum, Dafftar Intasharat-e-Islami, 1413 AH), 484.

صدوق، *من لایحضرہ الفقیہ*، محقق، مصحح، غفاری، علی اکبر، ج3، چاپ دوم (قم، دفتر انتشارات اسلامی، 1413ق)، 484۔

20. Kulani, *al-Kafi*, Vol. 6, 25.

کلینی، *الکافی*، ج6، 25۔

21. Allama Muhammad Baqir, Al-Majlisi, *Mirya-ul-Aqool fi Sharh Akhbar Aal-ul-Rasoul*, Vol. 21, Chaap. II (Tehran, Dar al-Kitab al-Islamiyah, 1404 AH), 54 & 56.

علامہ محمد باقر، مجلسی، *مرآۃ العقول فی شرح اِخبار آل الرسول*، ج21، چاپ دوم (تہران، دار الکتب الاِسلامیۃ، 1404ق)، 54و56۔

22. Sadouq, *Man la Yahzrah al-Faqih*, 484.

صدوق، *من لایحضرہ الفقیہ*، 484۔

23. Tusi, *Tahzeeb Al-Ahkam* Mohaqaq, Masahih, Mosvi Khursan, Hasan, Vol. 7, Chaap IV (Tehran, Dar al-Kitab al-Islamiya, 1407 AH), 442.

طوسی،تہذیب الأحکام، محقق، مصحح، موسوی خرسان، حسن، ج7، چاپ چہارم (تہران، دار الکتب الاسلامیۃ، 1407ق)، 442۔

24. Sadouq, *Man la Yahzrah al-Faqih*, 486.

صدوق، من لایحضرہ الفقیہ، 486۔

25. Kulani, *al-Kafi*, Vol. 6, 25.

کلینی، الکافی، ج6، 25۔

26. Muhammad bin Ali, Ibn Babwiyah, *Man la Yahzrah al-Faqih*, Muqaqiq, Masahih, Ali Akbar, Ghaffari, Vol. 3 Chaap. II (Qum, Dafftar Intasharat-e-Islami, 1413 AH), 485.

محمد بن علی، ابن بابویہ، من لایحضرہ الفقیہ، محقق، مصحح، علی اکبر، غفاری، ج3، چاپ دوم (قم، دفتر انتشارات اسلامی، 1413ق)، 485۔

27. Kulani, *al-Kafi*, Vol. 6, 26.

کلینی، الکافی، ج6، 26۔

28. Muhammad bin Ali bin Hamzah, Tusi, *al-Wasilah Ila Nail al-Fazilah*, Masahih, Muhammad Hason (Qum, Intasharat KutbKhana Ayatullah Murashi Najafi, 1408 AH), 316.

محمد بن علی بن حمزہ، طوسی، الوسیلۃ إلی نیل الفضیلۃ، مصحح، محمد حسون (قم، انتشارات کتابخانہ آیۃ اللہ مرعشی نجفی، 1408ق)، 316۔

29. Ibid.

ایضاً۔

30. Zain al-Din bin Ali, Aamili, Shaheed Saani, *al-Rowzat al-Bahiyah fi Sharh al-Lama' al-Dumashqiyah*, Vol. 5 (Qum, Kitabfuroshi Dawri, 1410 AH), 448.

زین الدین بن علی، عاملی، شہید ثانی، الروضۃ البہیۃ فی شرح اللمعۃ الدمشقیۃ، ج5 (قم، کتابفروشی داوری، 1410ق)، 448۔

31. Ibid, 447.

ایضاً، 447۔

32. Ruhollah, Khomeini, *Manasaq Hajj* (Mosasa-e Tanzeem wa Nashr-e Imam Khomeni, 1382 SH), 258-259.

روح اللہ، خمینی، مناسک حج (تہران، موسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی (رہ)1382ش)، 258 - 259۔

33. Ibid, 258.

ایضاً، 258۔

34. Kulani, *al-Kafi*, Vol. 6, 30.

کلینی، *الکافی*، ج6، 30۔

35. Ibid, 31.

ایضاً، 31 ۔

36. Ibid.

ایضاً۔

37. Ibid.

ایضاً۔

38. Ibid, 29.

ایضاً،29۔

39. Muhammad Fazil, Lankarani, *Jamia al-Masail*, Vol. 2 (Qum, Intasharat-e Amir Qalam, nd.), 389.

محمد، فاضل لنکرانی، *جامع المسائل*، ج2 (قم، انتشارات امیر قلم)، 389۔

40. Kulani, *al-Kafi*, 28, 29.

کلینی، *الکافی*، 28، 29۔

41. Ibid, 32.

ایضاً، 32۔

42. Ibid, 27, 29.

ایضاً، 27، 29۔

43. Ibid, 32.

ایضاً، 32۔

44. Kulani, *al-Kafi*, 29.

کلینی، *الکافی*، 29۔

45. Mansoob ba Imam Raza, *Fiqh al-Raza* (Mashhad, Mowsa Al-Al-Bayat, 1406 AH), 239.

منسوب بہ امام رضا، *فقہ الرضا* (مشہد، مؤسسہ آل البیت، 1406ق)، 239۔

46. Kulani, *al-Kafi*, 32.

کلینی، *الکافی*، 32۔

47. Ibid, 33.

ایضاً، 33۔

48. Muhammad bin Hussain, Sawji, Nizam bin Hussain, Bahauddin Amili, *Jamia Abbasi*, wa Takmeel Aan (Qum, Dafftar Intasharat-e-Islami, 1429 AH), 694; Muhammad Taqi, Behjat, *Jamia Al-Masail*, Vol. 4, Chaap. II (Qum., Nasher Dafftar Moazzam Lah, 1426 AH), 98.

محمد بن حسین، ساوجی، نظام بن حسین، بہاء الدین عاملی، *جامع عباسی*، وتکمیل آن، (قم، دفتر انتشارات اسلامی، 1429)، 694؛ محمد تقی، بہجت، *جامع المسائل*، ج4، چاپ دوم (قم، نشر دفتر معظم لہ، 1426ق)، 98۔

49. Ali Himmat, Banari, Tehleel Tarbati Ahkam Fiqhi Arsa e Nakwida dar Tahleem wa Tarbiat, Research Journal "*Mutaliat Fiqa Tarbeti*", Issue# 7, 1396), 37.

علی ہمت، بناری، تحلیل تربیتی احکام فقہی عرصہ ای ناکاویدہ در تعلیم و تربیت اسلامی، مجلّہ *مطالعات فقہ تربیتی*، شمارہ7، (1396)، 37۔

50. Ali Raza, Arafi, *Fiqh Tarbati* (Qum, Mossah Ashraq wa Irfan, 1391 SH), 322.

علی رضا، اعرافی، *فقہ تربیتی* (قم، موسسہ اشراق و عرفان، 1391)، 322۔

51. Muhammad Bahrami, "Philosopha Ahkam dar Qur'an", Majla Pazhuhish Ha'i Qur'ani, (1374 SH): 70.

محمد بہرامی، "فلسفہ احکام در قرآن"، مجلّہ پژوہش ہای قرآنی، (1374): 70۔

52. Muhammad bin Umar, Fakhr Razi, *Al-Mashul*, Vol. 2 (Beirut, Almaktaba-Alesriya, 1420 AH), 405.

محمد بن عمر، فخر رازی، *المحصول*، ج2 (بیروت، المکتبہ العصریہ، 1420ق)، 405۔

گلگت میں بدھ مت کے اثرات کے تناظر میں مکالمہ کی مذہبی بنیادیں

Religious Foundations of Dialogue in the Context of Buddhist Influences in Gilgit-Baltistan

Open Access Journal
Qtly. Noor-e-Marfat
eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nooremarfat.com
Note: All Copy Rights are Preserved.

Ansaruddin Madni
Department of Education Development (Islamic Studies)
Karakoram International University Gilgit, 15100, Pakistan.
E-mail: dransarmadni@gmail.com

Dr. Fizzah Muslima
Department of Religion and Art, University of Religions and Denominations, MIU, Qum, Iran.
E-mail: drfizzahmuslim@gmail.com

Abstract:

In whatever society he lives, a human being participates directly or indirectly, in the educational, scientific, political, historical and religious activities. Till the recent human history, numerous humans have got prominence due to their extraordinary efforts in different walks of life. An opportunity for research and analysis can be created, if we could truly collect information about the life of such people. Today, people who belong to different religions are busy in the proliferation of their concerned religious models.

Some of religion are very ancient and therefore, although we cannot find followers of a particular ancient religion in a region but archeological artifact of such religions are prevalent in those areas. For example, although there are no followers of Buddhism in Gilgit-Baltistan but we can find traces of this religion in the area. In my research paper, highlighting the historical and religious status of Buddhism, I would start a dialogue on religious grounds and will discuss the traces of Buddhism with their related religious events.

Key words: Dialogue, Religions, Buddhism, Islam, Gilgit, Baltistan.

خلاصہ

انسان جس معاشرے میں بھی رہتا ہے، تعلیمی، سائنسی، سیاسی، تاریخی اور مذہبی سرگرمیوں میں بالواسطہ یا بلاواسطہ حصہ لیتا ہے۔ حالیہ انسانی تاریخ تک بے شمار انسانوں نے زندگی کے مختلف شعبوں میں اپنی غیر معمولی کاوشوں کے باعث نمایاں مقام حاصل کیا۔ تحقیق اور تجزیے کا موقع پیدا ہو سکتا ہے، اگر ہم ایسے لوگوں کی زندگی کے بارے میں صحیح معنوں میں معلومات اکٹھی کر سکیں۔ آج، مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگ اپنے متعلقہ مذہبی ماڈلز کو پھیلانے میں مصروف ہیں۔ کچھ مذاہب بہت قدیم ہیں اس لیے اگرچہ ہمیں کسی علاقے میں کسی خاص قدیم مذہب کے پیروکار نہیں مل سکتے لیکن ان علاقوں میں ایسے مذاہب کے آثار قدیمہ موجود ہیں۔

مثال کے طور پر، اگرچہ گلگت بلتستان میں بدھ مت کا کوئی پیروکار نہیں ہے لیکن ہمیں علاقے میں اس مذہب کے آثار مل سکتے ہیں۔ اپنے تحقیقی مقالے میں بدھ مت کی تاریخی اور مذہبی حیثیت پر روشنی ڈالتے ہوئے، مقالہ نگار نے مذہبی بنیادوں پر مکالمہ شروع کیا ہے اور ان کے متعلقہ مذہبی واقعات کے ساتھ بدھ مت کے آثار پر بات کی ہے۔

کلیدی الفاظ: مکالمہ، ادیان، بدھ مت، اسلام، گلگت، بلتستان۔

مقدمہ

انسان کسی بھی معاشرے میں زندگی گزارتا ہو، وہ بنیادی طور پر معاشرے کے علمی، ادبی، سائنسی، سیاسی، تاریخی اور مذہبی سرگرمیوں میں بلواسطہ یا بلاواسطہ شریک رہتا ہے۔ اب تک کی انسانی تاریخ میں بہت سے انسان مختلف شعبوں میں اپنی کاوشوں کی بنیاد پر دوسرے انسانوں سے نمایاں رہے ہیں۔ ان شخصیات کی زندگی سے متعلق معلومات کو دیانتداری سے جمع کیا جائے تو معاشرے کے ذہین افراد کو مختلف شعبوں میں علمی، تحقیقی اور تجزیاتی کام کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اس وقت دنیا میں مختلف مذاہب کے پیروکار اپنے مذہب کی ترویج کے لئے نہ صرف سرگرم عمل ہیں بلکہ اپنے مذہب کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے نت نئے طریقے اپناتے ہیں اور دوسرے انسانوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنے عقائد اور نظریات پر نظر ثانی کریں۔ تبدیلی مذہب کے پیچھے کارفرما انسانی کاوشوں میں سے ایک کاوش مکالمہ یعنی بات چیت کا عمل ہے۔ جب دو مختلف نظریات کے حامل افراد ایک

دوسرے سے ملتے ہیں تو وہ یقینی طور پر ایک دوسرے سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے ہیں۔ ظاہر ہے شعور و آگاہی حاصل کرنے کی جستجو انسان کو بے چین رکھتی ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر اس بے چینی کو صحیح، مناسب اور بروقت رہنمائی ملے تو وہ بے چین اور بے سکون انسان کو اپنے نظریات اور خیالات و عقائد کی درستگی کی تحریک دلاتی ہے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت دنیا میں بہت سے مذاہب ہیں۔ ان میں سے بعض قدیمی ہیں۔ مگر ان کے پیروکار بہت کم تعداد میں ملتے ہیں۔ یا کچھ مذاہب کے ماننے والے کسی زمانے میں کثرت سے پائے جاتے تھے لیکن آج کل ان کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے، بعض علاقوں میں ان مذاہب کا جنم ہوا تھا لیکن آج ان علاقوں میں ان مذاہب کا وجود بھی نہیں۔مگر ان مذاہب سے متعلق آثار پائے جاتے ہیں۔ مثلاً بدھ مت کے پیروکار اس وقت گلگت بلتستان میں نہیں ہیں مگر اس مذہب کے آثار موجود ہیں۔ ہم اپنے مقالہ میں بدھ مذہب کی تاریخی اور مذہبی حیثیت کو اجاگر کرتے ہوئے ان سے مکالمہ کی مذہبی بنیادوں پر بات کریں گے۔ اور گلگت بلتستان میں موجود بدھ مت کے آثار اور ان سے متعلق واقعات کو زیر بحث لائیں گے۔ مقالہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

گوتم بدھ اور بدھ مذہب کا تعارف

گوتم بدھ شمالی ہند کے علاقے نیپال میں ساکیہ قبائل کی راجدھانی مچلنا دستو میں ۵۶۸ ق م میں پیدا ہوئے۔ لیکن گوتم بدھ کا شمار انہی بچوں میں ہوا کہ جو پیدائش کے بعد ماں جیسی عظیم و مہربان اور محبت نچھاور کرنے والی ہستی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ پیدائش کے ایک ہفتے تک ہی آپ کو ماں کی ممتا اور گود نصیب ہوئے ایک ہفتے کے بعد آپ کی والدہ اس دارِ فانی سے کوچ کر گئی۔

گوتم بدھ کا نام سب کی ایماء پر ”سدھارتھ“ رکھا گیا۔ لیکن گوتم آپ کا خاندانی نام تھا۔ مسلسل انتھک محنت و ریاضت کے بعد آپ کو گیان حاصل ہوا جس کی وجہ سے آپ کو ”بدھ“ کا لقب مل گیا اور یوں پوری دنیا میں ”گوتم بدھ“ کے نام سے پہچان ہوئی۔ سدھارتھ کے علاوہ گوتم بدھ کا ایک اور نام ”ساکیہ منی“ یا ”ساکیہ سنگھ“ بھی ہے۔ شاہی خاندان سے تعلق ہونے کی بناء پر ابتدائی پرورش بھی بڑے شاہی انداز سے ہوئی اور شاہی اصولوں کے مطابق شادی بھی کم عمری میں ہوئی۔ ۱۶ سال کی عمر میں آپ کی شادی ”جسودھارا“ نام کی لڑکی سے ہوئی اور اولاد بھی فوراً ہو گئی۔ پہلے ہی سال بیٹا پیدا ہوا جس کا نام ”رہل“ رکھا گیا۔

۲۹ برس کی عمر میں گوتم بدھ اپنے خاص خادم ”چین“ کو ساتھ لے کر ایک انجانی سمت چل نکلا راستے میں اس نے کچھ عجیب مناظر دیکھے جنہیں دیکھ کر گوتم کی دل کی دنیا ہی بدل گئی۔ گوتم نے راستے میں ایک مفلوک الحال

بوڑھا دیکھا، پھر ایک جنازے کو دیکھا اور اس کے بعد آگے چل کر ایک فقیر درویش کو دیکھا۔ جب گوتم نے انسانی زندگی کے ان تین حسرت ناک پہلوؤں کو دیکھا تو نہ صرف وہ متاثر ہوا بلکہ انہوں نے دنیا کی محبت اور لگاؤ میں کمی محسوس کی۔ محل کی طرف واپس آتے ہوئے انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اب مجھے اس راز کو سمجھنا ہے۔ جس کی وجہ سے انسان کی زندگی مختلف رنگ دیکھائی دیتے ہیں۔

گوتم نے اپنے خادم کے ساتھ دریائے ایوحہ پر پہنچ کر اپنے تمام زیب تن کئے زیورات، جواہرات خادم کے سپرد کیے اور کہا کہ تم واپس لوٹ جاؤ۔ اور خود کو ایک غریب آدمی کے لباس میں مزین کر کے راج گڑھی، راج گڑھی مگدھ کی سلطنت کا دارالخلافہ تھا اس دارالخلافے میں بہت مشہور درویش بھی رہتے تھے۔ ان درویشوں میں سے "الترٗ" نامی درویش کے گوتم بدھ مرید ہو گئے۔ مگر گوتم بدھ کو یہاں وہ سکون و قرار میسر نہ آیا جس کے وہ متلاشی تھے چنانچہ وہ یہاں سے کسی دوسرے عابد و زاہد درویش کی محبت میں آ گئے۔ اس درویش نے ہندو مذہب کا فلسفہ سیکھایا اس کے بعد گوتم نے چِلّوں اور نفس کشی کے لئے ریاضتوں کا قصد کیا۔ ایک جنگل میں چھ سال تک سخت ریاضتیں کیں۔

انہی ریاضتوں کے باعث گوتم کی شہرت قریب و جوار میں پھیل گئی۔ اسی شہرت کے باعث آپ کے کچھ مرید بھی ہو گئے۔ پھر ریاضتوں اور نفس کشی کو ترک کر کے کھانا پینا شروع کیا کیونکہ گوتم بدھ کو درویشوں کی صحبت، نفس کشی اور ریاضتوں نے وہ سکون و اطمینانِ قلب نہ بخشا۔ جس کا وہ متلاشی تھا اور گوتم گوہرِ مقصود کی تلاش میں سرگرداں پھرنے لگا۔ یہاں تک کہ اس کی ریاضتوں اور مشقتوں نے بھی اسے دلی سکون و راحت نہ بخشی۔ اس بے اطمینانی کی حالت میں وہ دوہرائے پر کھڑا تھا کوئی فیصلہ نہ کر پا رہا تھا کہ واپس چلا جائے اور وہی پہلے والی عیش و عشرت کی زندگی دوبارہ بسر کر لے یا پھر اسی درویشانہ و فقیرانہ زندگی میں حیران و سرگرداں پھرتا رہے۔

زندگی اسی تسلسل سے رواں دواں تھی کہ ایک جگہ گوتم بیٹھا تھا کہ ایک لڑکی کا اُس طرف سے گزر ہوا کہنے لگی۔ اے شکستہ حال فقیر آپ بھوکے ہیں کیا میرے ہاتھ سے کھانا تناول فرمائیں گے؟ گوتم نے سر اٹھا کر اس لڑکی کی طرف دیکھا اور اس سے اس کا نام پوچھا۔ لڑکی نے جواب دیا میرا نام سوجات ہے۔ گوتم نے اس لڑکی سے کہا بھوکا تو میں ہوں مگر یہ بتاؤ کیا تمہاری غذا میری بڑھتی ہوئی بھوک کو تسلی دے سکتی ہے؟ لڑکی درویش کی اس فلسفیانہ بات کو نہ سمجھ سکی وہ نہ سمجھ سکی کہ فقیر کی بھوک سے کیا مراد ہے اور وہ کس قسم کی تسلی چاہتا ہے۔ مگر پھر بھی لڑکی نے درویش کو کھانا دیا۔ گوتم نے اسے تناول کیا۔ لڑکی تو کھانا دے کر جا چکی تھی مگر گوتم اُسی درخت کے نیچے جہاں وہ لڑکی کھانا لائی تھی بیٹھا رہا اور یادِ الٰہی میں مصروف رہا۔ اسی حالت میں گوتم بدھ مختلف امتحانات اور آزمائشوں سے گزرے یا یوں کہنا چاہیے کہ گوتم بدھ کو ان آزمائشوں میں ڈالے گئے۔

گوتم بدھ کی پہلی آزمائش

گوتم جس قسم کی ریاضتوں میں مصروف تھے ایسی ریاضتوں میں جو رکاوٹ سب سے پہلے حائل ہوتی ہے اور انسان کو مقصدِ حیات سے الگ کرنے کی کوشش کرتی ہے وہ شیطان ہے اور گوتم کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا شیاطین نے مختلف طریقوں کے ذریعے وسوسے ڈال کر گوتم بدھ پر غالب آنے کی کوشش کی مگر گوتم بدھ نے ان وسوسوں کا قلع قمع کیا اور خود ان شیاطنی طاقتوں پر غالب رہے۔

گوتم بدھ کی دوسری آزمائش

دنیا کی محبت انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتی۔ خاص کر جب انسان نفسانی خواہشات کا اسیر ہو جائے۔ عورت کے چنگل میں پڑھ کر انسان اپنا سب کچھ برباد کر بیٹھتا ہے اگر وہ عقل و شعور سے کام نہ لے۔ گوتم بدھ کے ساتھ بھی ایسا کچھ ہوا کہ ایک نہایت حسین و جمیل لڑکی اس کے سامنے نمودار ہوئی اور گوتم بدھ کو ریاضتیں ختم کرنے کی درخواست کیں۔ گوتم بدھ نے اس کی محبت بھری سرگوشیوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔

گوتم بدھ کی تیسری آزمائش

تیسری آزمائش میں شیطان کا سردار آیا اور اس نے گوتم بدھ کو لالچ اور حرص میں مبتلا کرنا چاہا یہاں تک کہ اُسے تمام جہانوں کی حکومت دینے کے وعدے کئے۔ مگر گوتم بدھ نے ان کے وعدوں کی طرف توجہ دینے کی بجائے علم و معرفت کے حصول میں مصروف عمل رہے۔

ان آزمائشوں کے بعد گوتم مسرت کے عالم میں اس درخت کے نیچے سے اٹھے اور طمانیت قلب کا الٰہی نسخہ ساتھ لے کر راج گڑھی کی طرف چل دیئے تاکہ ان لوگوں کو بھی اس نسخہ سے اطمینان قلب کی دولت سے مالامال کر سکیں۔ سب سے پہلے اپنے دونوں استادوں کی طرف روانہ ہوئے تو معلوم ہوا کہ وہ اس فانی دنیا سے کوچ کر چکے ہیں۔ وہاں سے بنارس کی طرف چلے۔ راستے میں ایک پرانے دوست 'اپک' سے ملاقات ہوئی مگر انہوں نے گوتم کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دی۔ چند روز بعد گوتم ہرن بن میں جا پہنچے یہ بن بنارس سے شمالی جانب واقع ہے وہاں گوتم کے پانچ بڑے مرید رہتے تھے۔ پانچوں نے گوتم کی طرف ذرا بھی توجہ نہ دی۔ یہاں گوتم نے اپنا مشہور وعظ "Setting in Motion The Wheel of Righteousness" راست کاری کے پہیے محرک کرنے کا دیا جس سے دائمی مسرت حاصل کی جا سکتی ہے۔ کافی دیر تک مریدوں سے گفتگو ہوتی رہی۔ آخر کار حق کے قبول کرنے کے لئے ان کا سینہ کھل گیا۔ سب سے پہلے مسن کندینا حلقہ ارادت میں شامل ہوا۔ بعدازاں دوسرے بھی حلقہ عقیدت میں شامل ہو گئے۔ کچھ عرصہ گوتم ہرن بن میں مقیم رہے اور لوگوں کو ابدی اور

حقیقی نجات کا پیغام پہنچاتے رہے۔ اس پیغام کے پہنچانے میں مرد عورت، امیر غریب، عالم جاہل کسی کی تفریق نہ تھی۔ امراء میں سب سے پہلے یاس نامی ایک امیر کبیر نوجوان نے پیغام کو قبول کیا۔ اس کے ساتھ اس کے ہمراہیوں کی ایک خاصی جماعت شامل ہو گئی۔

ازدیل کے جنگل میں تین بھائی فقیرانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان کی عام شہرت تھی۔ گوتم ان کے پاس گئے اور دوسرا وعظ "اگنی "The Fire Sermon" دیا۔ گوتم نے انسانی احساسات کو ہوس، غضب، فریب اور نفرت کی دہکتی ہوئی آگ کا آلاؤ قرار دیا اور یہ بتایا کہ ایک دانش مند آدمی ہوس کی آگ بجھا کر دکھ اور کرب کی جڑیں دل سے باہر نکال کر پھینک سکتا ہے۔

گوتم اپنے مریدوں کو لے کر ازویل سے چلے اور مگدھ کے دارالخلافہ راج گڑھی میں آئے۔ بادشاہ نے ان کا استقبال کیا۔ یہاں "بہشت" پر ایک وعظ کیا اور بتایا کہ جنت کا دروازہ طہارت ہے اور منزل مقصود عشق۔ یہاں گوتم اور ان کے مریدوں کی بہت توقیر ہوئی اور بادشاہ گوتم پر ایمان لے آیا۔ اس عرصہ میں گوتم کے والد نے پیغام بھیجا کہ مچلنا دستو آؤ اور ایک دفعہ اپنا دیدار کرا جاؤ۔ یہ پیغام حاصل کرنے کے بعد گوتم اپنے مریدوں کے ساتھ مچلنا دستو روانہ ہوئے۔ مچلنا دستو پہنچ کر شہر کے باہر ایک جھاڑی میں ڈیرہ ڈال دیا۔ ان کے والد اپنے اعزاو اقارب کو ساتھ لے کر ملنے آئے۔ لیکن ان کی زاہدانہ اور درویشانہ زندگی کو دیکھ کر خوش نہ ہوئے۔ اس تبلیغی دورہ میں بہت سے رشتہ دار اور اہل وطن آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے۔[1]

گوتم بدھ نے غور و فکر اور ریاضتوں کے بعد جو نظریہ پیش کیا اسے مختلف حصوں میں تقسیم کر کے مذہب کے اصول و ضوابط کا درجہ دیا گیا ہے۔ چونکہ گوتم بدھ ان اصولوں پر سختی سے کاربند تھے اس لیے ان کے پیروکاروں نے انہیں آئین مذہب بنا دیا۔

بدھ مت کے اخلاقی رویے

"بدھ کے فلسفہ کی بنیاد مخصوص اخلاقی رویوں اور اصولوں پر ہے۔ اس نے روحانی ترقی کے لئے عقائد و مسالک کا ایک مجموعہ ہی نہیں بلکہ منطقی طریقہ کار پیش کیا۔ اس کی تعلیمات نہایت سادہ اور رافع ہیں، جو چار اعلیٰ اخلاقی نیکیوں، سچائیوں پر مشتمل ہیں۔ دکھ، دکھ کی جڑ اور دکھ کے خاتمہ تک پہنچانے والی راہ، یہ حصول نروان کے معاون ہیں۔

چپ کی حالت: بدھ کا مذہب اور اخلاقیات خود انحصاری پر منحصر ہے۔ اس نے ہمیشہ ان مابعد الطبیعیاتی معاملات سے گریز کرنے کی کوشش کی جن کے لئے طویل بحث درکار ہے۔ بدھ کا مطمع نظر مسائل زندگی کا حل پیش کرنا تھا۔ یعنی دکھ اور تکالیف۔ چاہے جسم روح سے مختلف ہے یا نہیں، چاہے روح فانی ہے یا لافانی چاہے دنیا محدود ہے یا لامحدود، چاہے آواگون ہوتا ہے یا نہیں، اسے اس سے کوئی سروکار نہیں کیونکہ یہ فلسفیانہ سوالات ہیں جن کے بارے میں وہ

خاموش رہا۔ یاسیت اور رجائیت: یاسیت فلسفہ بدھ کی ایک اور اہم خصوصیت ہے۔ بدھ دنیا کو دکھ اور تکلیف سے بھرپور خیال کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ پیدائش دکھ ہے، بڑھاپا دکھ ہے اور موت بھی دکھ ہے۔ زندگی میں تکلیف اور دکھ ہی دکھ ہے۔ اس کا پہلا اعلیٰ ترین سچ یہ ہے کہ دکھ موجود ہے۔ تاہم ہر فرد کا فرض ہے کہ وہ نروان یا پر تکلیف دنیا کے دکھوں سے نجات حاصل کرے۔ تکالیف کا خاتمہ ہی بدھ مت کا مقصد ہے۔ بلا شبہ زندگی دکھوں سے پر ہے، لیکن ایک راہ نجات موجود ہے۔ اس نے اپنے چوتھے سچ میں کہا کہ دکھوں سے نجات پانے کی ایک راہ (مارگ) موجود ہے۔ چنانچہ بدھ کا فلسفہ یاسیت پسندی سے شروع ہونے کے باوجود، رجائیت پسندی پر منتج ہوتا ہے۔

حقیقت پسندی: بدھ نے ویدوں میں رسومات اور جانوروں کی قربانی وغیرہ جیسے اندھے اعتقادات کو کڑی تنقید کا نشانہ بنایا۔ وہ ویدوں کی حاکمیت بطور الہامی علم تسلیم نہیں کرتا تھا۔ اس نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ وہ سند پر نہیں بلکہ استدلال پر انحصار کریں۔ اپنی تعلیمات میں اس نے زندگی کے حقیقی تجربے پر زور دیا۔ کسی شخص، یا زندہ ہستی، انا یا زندہ وجود جیسی کوئی شئے موجود نہیں کہ جسے لافانی یا پائیدار روح کہا جا سکے۔ آتما کا نظریہ محض رواجی ہے۔

ملحدیت: بدھ مت خدا کے بغیر مذہب ہے۔ خدا کا مقام دھرم کو دیا گیا ہے۔ دھرم ہی ساری دنیا کو چلاتا ہے۔ بالخصوص ہنایان بدھ مت میں دھرم ہی کی وجہ سے کرم کے نتائج اکٹھے ہوتے رہتے ہیں اور ہر شخص کو اپنے کرموں کی مطابقت میں ہی ذہن، جسم اور دنیاوی اشیاء ملتی ہیں۔ ہنایان ملحدانہ ہے۔ چونکہ بدھ مت ویدوں کی حاکمیت سے انکار کرتا ہے، اس لیے اس مفہوم میں بدھ مت ناستک ہے۔ ہنایان مکتبہ میں بدھ کو کبھی بھی قابل پرستش یا خدا کے طور پر خیال نہیں کیا گیا"۔[2]

بدھ مت کے چار اعلیٰ صداقتیں

"**۱۔ دکھ موجود ہے:** زندگی درد و اذیت سے بھری ہوئی ہے۔ پیدائش دکھ ہے، بڑھاپا دکھ ہے، بیماری دکھ ہے اور موت دکھ ہے۔ دکھ مسرت کا نتیجہ ہے۔ غربت، حرص، خواہش، غصہ، نفرت اور جھگڑے انسانی دکھ کی وجوہات ہیں۔

۲۔ دکھ کی ایک وجہ ہے: دوسری اعلیٰ صداقت کا تعلق دکھ کی وجوہات سے ہے۔ دکھ ایک حقیقت ہونے کی وجہ سے، اس کی لازماً کوئی علت یا وجہ بھی ہوتی ہے۔ جنم مرن کے چکر کو قائم رکھنے والی قوت محرکہ یعنی خواہش دکھ کی بنیادی وجہ ہے۔ یہ خواہش تین قسم کی ہے۔

(الف)۔ نفسانی مسرتوں کے لئے جنسی خواہش۔

(ب)۔ زندگی کا لطف اٹھانے کے لئے زندگی کی خواہش، اور

(ج) دنیاوی ثروت کے لئے دولت کی خواہش۔

تمام دکھ لگاوٹ سے پیدا ہوتے ہیں، جو بذات خود لاعلمی کا نتیجہ ہے"۔[3]

بدھ مت کے آٹھ نکاتی راستہ

"۱۔درست نظر: لاعلمی دکھ کی جڑ ہے۔ درست نظر کی تعریف اشیاء کی حقیقی نوعیت کے متعلق درست علم کے طور پر کی گئی ہے۔ لاعلمی دنیا اور روح کے درمیان تعلق کا غلط منظر پیدا کرتی ہے۔

۲۔درست ارادہ: دوسرے کا مطلب صحیح عزم کرنا ہے۔ دکھ کی محض جانکاری کا کوئی فائدہ نہیں، جب تک کہ ہم ایک کامل روحانی زندگی گذارنے کا عزم نہ کر لیں۔ بری سوچ، نفسانی خواہشات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے اور ایک کامل زندگی گذارنے کا عزم صمیم ہی درست ارادہ ہے۔

۳۔درست گوئی: فضائل اخلاق کے لئے جدوجہد کرنے والے کے لئے اپنی گفتگو پر قابو پانا ضروری ہے۔ درست گوئی کا مطلب دروغ گوئی سے گریز، سخت اور تحقیر آمیز الفاظ نہ بولنا، فضول گفتگو اور تنقید سے اجتناب کرنا ہے۔ ہر شخص کو دکھ دینے والی بات سے گریز کرنا اور مناسب و درست الفاظ ہی بولنے چاہئیں۔

۴۔درست رویہ: درست رویے کا مطلب کسی کی زندگی کو نقصان پہنچانے، چوری کرنے، جنس پرستی، دھوکہ دہی اور بدکاری وغیرہ جیسی سرگرمیوں سے بچنا ہے۔ بدھ نے بھکشوؤں، والدین، بچوں، طالبعلموں، اساتذہ، شوہر اور بیوی کے لئے طرز عمل کے مختلف ضوابط تجویز کئے ہیں۔ اس نے ایثار، فیاضی اور سب کے ساتھ ہمدردی کا سبق پڑھایا۔

۵۔ درست کمائی: اس کے مطابق ہمیں اپنی روزی روٹی ایماندار اور جائز ذرائع سے کمانی چاہیے۔ اس کے بغیر درست رویہ پوری طرح سے اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ بدھ کے مطابق ہتھیاروں، جانوروں، گوشت اور شراب وغیرہ کا کاروبار نہیں کرنا چاہیے۔ دھوکہ دہی اور برے ذرائع، مثلاً رشوت، بدعنوانی اور ڈاکہ زنی سے کمائی ہوئی دولت سے ہرگز فائدہ نہیں ہوتا۔

۶۔درست کوشش: اخلاقیات کی راہ پر چلنے والے کے لئے لازمی ہے کہ وہ برے احساسات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے اور اپنے ذہن میں برے خیالات نہ آنے دے۔ اس میں برے خیالات کے خلاف اور نیک خیالات بیدار کرنے کے لئے خود ضبطی اور مسلسل کوشش شامل ہے۔ برے خیالات سے بچنے کے طریقے مندرجہ ذیل ہے۔

1. کسی اچھے خیال پر سوچوں کو مرکوز کرنا۔
2. بری سوچ پر عمل کے نتائج کا تجزیہ کرنا۔
3. بری سوچ کی علت کا تجزیہ کرنا اور اس کے نتائج کو روکنا۔
4. جسمانی کوششوں کے ذریعہ ذہن کو قابو میں رکھنا۔
5. دھرم کی پابندی کرنا۔

۷۔درست تفکر: اس کا مطلب جسم، ضمیر اور ذہن کو ان کی حقیقی حالت میں مستحکم رکھنا ہے۔ برے خیالات صرف تبھی ذہن پر غلبہ پاتے ہیں جب ان کی حقیقی حالت کو بھلا دیا جائے۔ درست تفکر میں جس کی ناپاکیوں، مسرت، دکھ اور ذہنی و جسمانی تکالیف وغیرہ کی یاد دہانی کرتے رہنا شامل ہے۔ بدھ نے تعلیم دی کی جسم مٹی، پانی، آگ اور ہوا سے مل کر بنا ہے۔ ہمارے جسم کا شعور اور اپنے یا کسی اور جسم کے ساتھ لگاوٹ ہمیں اس قسم کی غیر ضروی تمنا اور رغبت سے بچنے میں مدد دیتی ہے۔

۸۔درست مراقبہ: ان سات اخلاقی طرز عمل کے ضوابط کو اپنانے اور ان کا تجربہ کرنے والا شخص مراقبہ کی راہ پر قدم رکھنے کے لئے پوری طرح تیار ہوتا ہے۔ یہاں فضائل اخلاق کا متمنی اپنے پاکیزہ ذہن کو سچائی اور استدلال پر مرکوز کرتا ہے"۔[4]

بدھ مت کے پانچ فرمان

1) "کسی زندہ شئے کو مت مارو۔
2) جو تمہیں نہیں دیا گیا اسے مت لو۔
3) جھوٹ مت بولو۔
4) نشہ آور مشروبات مت پیو۔
5) بدکاری نہ کرو"۔[5]

بدھ مت کے مذہبی مکاتب

"بدھ کی وفات کے ایک سو سال بعد بدھسٹ جماعت (سنگھ) وسیع پیمانے پر دو مکاتب میں تقسیم ہوگئی۔ ا۔ہنایان۔ ۲۔مہایان۔ مہا(اعلیٰ یا عظیم) یان (سواری) بنیادی طور پر ہی ہنا(کمتر یا پست) یان (سواری) سے اپنی اخلاقیات، عقائد، خانقاہی زندگی اور تصور بدھ میں اختلاف رکھتا ہے۔ ہنایانی حقیقی پرانے بدھ مت کے پیروکار ہیں جو اپنی نوعیت میں بنیاد پرستانہ ہے۔ ہنایان ایسا مذہب ہے جو خدا کے وجود سے انکار کرتا ہے۔ یہ ملحدانہ ہے۔ ہنایان میں سنگھ موجو ہے۔ دھرم کو خدا کی حیثیت دی گئی۔ چنانچہ یہ مسلک میں خدا سے منکر ہے، تاہم عملی طور پر بدھ کی عبادت کی اجازت دیتا ہے۔ کوئی ایسی بھگتی موجود نہیں جو کسی زندہ خدا پر دلالت کرتی ہو۔ مہایان مکتب ترقی پسند اور سادہ ہے۔ یہ ہمیں خدا، روح اور انسانی مقدر کے مثبت تصورات فراہم کرتا ہے۔ مہایان فرقے کے متلاشی حق 'بودھستو' کی حالت پانے کی جستجو کرتے ہیں۔ مہایان میں بدھ قابل پرستش بت بن گیا اور مطلق وجود سے مشابہ قرار دیا جانے لگا۔ مہایان فرقے کے لئے بدھ کی شفقت اور رحمت انسان کی عالمگیر نجات تک بھی لے جا سکتی

ہے۔ مہایان ایک ماورائی حقیقت پر یقین رکھتا ہے، اور بدھ اس ماورائی حقیقت سے مشابہ ہے۔ یہ دنیا کی مطلق حقیقت سے انکار کرتا ہے۔ دنیا مظہراتی ہے اور مطلق طور پر حقیقی نہیں"۔[6]

بدھ مت میں عقیدہ نروان

"لفظ نروان کا مطلب بجھ جانا، یا خواہشات یا تمناؤں کا معدوم ہو جانا ہے۔ یہ محض معدومیت ہی نہیں، بلکہ کسی شخص کی حالت طمانیت بھی ہے۔ نروان کی حالت میں خواہش اور جذبات ختم ہو جاتے ہیں اور نجات یافتہ شخص ادھر ادھر جانے کی بجائے قطعی سکون حاصل کر لیتا ہے۔ نروان ایجابی لطف کے ساتھ عینیت رکھتا ہے۔ یہ پاکیزہ طمانیت اور حقیقی علم دیتا ہے۔ تسخیر ذات کر لینے والا شخص شہوت سے آزاد ہو جاتا ہے۔ وہ مزید کوئی تمنا نہیں کرتا۔ شعلہ خواہش کو جلتے رہنے کے لئے مزید کوئی مواد نہیں مل پاتا۔ خواہش اور شہوت کا یہ شعلہ بجھ جانے پر حالت عرفان حاصل ہوتی ہے۔ حالت عرفان میں کوئی لاعلمی، دکھ، تکلیف، بیماری اور موت موجود نہیں ہوتی"۔[7]

بدھ مت میں نظریہ لاروح

"بدھ کے مطابق تبدیلی حقیقت ہے۔ یہ اشارہ دیتی ہے کہ جو کچھ بھی حقیقی ہے وہ دائمی نہیں۔ قانون تغیر ہمہ گیر ہے۔ چنانچہ بدھ کسی دائمی روح پر یقین نہیں رکھتا۔ وہ روح یا نفس کے وجود سے انکار کرتا ہے۔ جسے ذہن کہتے ہیں وہ تصورات و خیالات کا بہاؤ ہے۔ سوچیں، احساسات، خواہش وغیرہ ایک لمحے کی پیداوار ہیں۔ ہمارا ذہنی عمل شعور کے ایک بہاؤ جیسا ہے۔ اس بہاؤ سے ماورا کوئی دائمی روح موجود نہیں۔ روح ادراکات کا بہاؤ ہے۔ لہٰذا بدھ نے لاروح کے نظریہ پر زور دیا۔ بدھ نے زندگی کے تسلسل کی وضاحت چراغ کی لو کی مثال کے ساتھ کی۔ لو، ہر لمحے تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ بدھ دوبارہ جنم اور قانون کرم پر یقین رکھتا ہے۔ تاہم، وہ اس مفہوم میں آواگون کا ماننے والا نہیں کہ روح ایک جسم سے نکل کر دوسرے جسم میں داخل ہو جاتی ہے۔ دو جنم مختلف ہوتے ہیں۔ بدھ کے مطابق موجود نہ رہنے والی روح سے غیر ضروری لگاؤ دکھ کی وجہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تمام تکالیف کی جڑ 'میں' کے احساس میں ہے۔ تصور ملکیت اور میرا اور تمہارا کا احساس روح کے غلط تصور کی وجہ سے ہے۔ روح کا ادراک اور نظارہ نہیں کیا جا سکتا، اس لیے اس کا کوئی وجود نہیں۔ اس نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ روح کے متعلق فضول بحث میں نہ الجھیں۔ روح ہمارے تجربہ اور استدلال سے ماورا ہے"۔[8]

بدھ مت کے صحائف

"پٹک کے طور پر مشہور بدھسٹ صحائف تین حصوں میں تقسیم ہیں، یعنی

(الف) ستیہ پٹک (انکشافات کی کتاب)۔

(ب) ونیہ پٹک (تربیت کی کتاب)
(ج) ابھیدم پٹک (فلسفہ کی کتاب)۔
پٹک کا لفظی مطلب ٹوکری یا پٹاری ہے۔ بدھ کے اقوال اور تعلیمات کو تحریر کرنے کے بعد مختلف ٹوکریوں میں رکھا جاتا تھا، غالباً یہیں سے ان کا نام پٹک پڑ گیا"۔[9]

بدھم، دھرم اور سنگھ

"بدھ مت میں تین چیزیں اہم ہیں۔ بدھ، جو دنیا کا آقا، اسے بچانے اور دوبارہ وجود میں لانے والا ہے۔ دھرم بدھ کے مذہب کی شریعت ہے، جو ابدی ہے اور یہ دنیا دھرم یا راستبازی کے قوانین کی ہی پیروی کرتی ہے۔ سنگھ یا جماعت بدھسٹ برادری کی تنظیم ہے۔ یہ تنیوں 'تثلیث' کہلاتے ہیں۔ ہر بدھسٹ چاہے ایک بھکشو، بھکشنی یا گرہست، کے لئے ضروری ہے کہ صبح، دوپہر اور شام کے وقت اس بارحمت تثلیث کو سلام اور اس پر غور و فکر کرنے کے علاوہ یہ منتر دوہراتا رہے۔ بدھم شرنم گچھامی (بدھ میں پناہ مانگتا ہوں)۔ دھمم شرنم گچھامی (دھرم میں پناہ مانگتا ہوں)۔ سنگھم شرنم گچھامی (سنگھ میں پناہ مانگتا ہوں"۔[10]

موسم برسات کے اختتام پر گوتم بدراج گڑھی سے چل کر سلطنت کوسل کے پایہ سلطنت سراوہتی کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں ایک متمول سوداگر رہتا تھا۔ جس نے گوتم بدھ اور ان کے مریدوں کے لئے ایک وسیع جنگل نامزد کر دیا۔ یہاں بڑے بڑے وعظ اور مناظرے ہوئے۔ گوتم بدھ مختلف علاقوں میں جاتے اور وعظ کرتے رہتے۔ ۴۸۸ق م میں اپنی سالگرہ کے دن گوتم نے انتقال کیا"۔[11]

دوسرے مذاہب سے مکالمہ کرنے کے آداب

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے خیالات دوسرے انسانوں تک پہنچانے کی صلاحیت عطا کی ہے۔ جوں جوں انسان ترقی کے منازل طے کرتا ہے وہ اپنے جذبات و احساسات اور خیالات و نظریات کی تبلیغ کے لئے مختلف ذرائع استعمال میں لاتا ہے۔ انسان جو بھی ذریعہ استعمال کرے اس میں ادب و احترام کے ساتھ ساتھ حکمت کی صفت بھی ہونی چاہیے۔ لیکن بعض دفعہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کسی نظریہ یا کسی مذہب کے بارے میں کوئی مخالف نظریہ یا مذہب رکھنے والا جب اس مذہب کے مطلق بات کرتا ہے تو شروع ہی سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس مذہب کا مخالف ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ کسی خاص مذہب پر ایمان رکھنے کے باوجود اپنے مخالف نظریات یا مذاہب کا تعارف اس طرح پیش کرے کہ گویا وہ ان کا مخالف نہیں ہے اور مسئلہ کو علمی اور تجزیاتی لہجہ اور مکمل علمی ایمان کے ساتھ لے کر آگے بڑھے۔ قرآنِ مجید کی مندرجہ ذیل آیات میں جو اصول و آداب کا ذکر ہے اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

1. أُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ O ترجمہ: "آپ اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ دعوت دیں اور ان سے اس طریقہ سے بحث کریں جو بہترین طریقہ ہے۔ (125:16)

2. قُلْ هُوَ الَّذِي أَنشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَO ترجمہ: "آپ کہہ دیجئے کہ خدا ہی نے تمہیں پیدا کیا ہے اور اسی نے تمہارے لیے کان، آنکھ اور دل قرار دیے ہیں۔ مگر تم میں سے بہت کم لوگ شکریہ ادا کرنے والے ہیں۔ (23:67)

3. وَلاَ تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَـئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْؤُولاً ترجمہ: "اور جس چیز کے بارے میں تمہیں علم و یقین نہ ہو اس پر بھروسہ نہ کرنا کہ روز قیامت سماعت، بصارت اور قوت قلب سب کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ (36:17)

4. قَالُواْ بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لاَ يَعْقِلُونَ شَيْئاً وَلاَ يَهْتَدُونَO ترجمہ: "کہتے ہیں کہ ہم اس کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا یہ ایسا ہی کریں گے چاہے ان کے باپ دادا بے عقل ہی رہے ہوں اور ہدایت یافتہ نہ رہے ہوں۔ (170:2)

5. لِيَجْزِيَ اللهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ إِن شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًاO ترجمہ: "تاکہ خدا صادقین کو ان کی صداقت کا بدلہ دے اور منافقین کو چاہے تو ان پر عذاب نازل کرے یا ان کی توبہ قبول کر لے کہ اللہ یقیناً بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔" (24:33)

6. وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُواْ وَلَوْ كَانَ ذَاO ترجمہ: "اور جب بات کہو تو اگرچہ قرابت مند ہی ہو انصاف کا پاس کرو۔" (152:6)

7. فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَO ترجمہ: "پس تم کو جو حکم دیا گیا ہے کہ اس کو کھول کر سنا دو اور مشرکین کی مطلّقاپرواہ نہ کرو۔" (94:15)

مذکورہ تمام آیات میں انسان کو اچھی بات، بہترین پیرائے میں بیان کرنے کے علاوہ دلیل و برہان کو اہمیت دینے کی تلقین کی گئی ہے کیونکہ تمام انسانوں کی عقلی استعداد برابر نہیں ہوتی، ہر انسان کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مختلف ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر فرد سے اس کی عقلی استعداد اور عقل و فہم کے مطابق بازپرس کرے گا۔ اللہ تعالیٰ تمام انسانوں پر ایک طرح کا بوجھ نہیں ڈالتا بلکہ ان کی صلاحیتوں کے مطابق بوجھ ڈالتا۔ اس اعتبار سے مکالمے میں جن آداب کا خیال رکھنا ضروری ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

حق گوئی مکالمے کی پہلی شرط ہے

مکالمے کے وقت سچ اور حق گوئی سے کام لینے سے مد مقابل کا دل حق کو قبول کرنے کے لئے نرم ہوتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ سچائی کی عادت انسان کو بہت سی برائیوں سے بچاتی ہے۔ جو سچا ہو گا وہ ہر برائی سے پاک رہنے کی کوشش کرے گا، وہ راست باز ہو گا، راست گو ہو گا، ایماندار ہو گا، وعدہ پورا کرے گا۔ اس کے اندر وفائے عہد جیسی عظیم عادت ہو گی اور سچائی اور حق گوئی انسان کو دلیر بناتی ہے اور لوگ بھی اس کے قول و فعل پر اعتبار کرتے ہیں۔ سچ اللہ کی صفت ہے۔

وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي أُنزِلَ إِلَيْنَا وَأُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَإِلَٰهُنَا وَإِلَٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ O

ترجمہ: "اور اہل کتاب سے مناظرہ نہ کرو مگر اس انداز سے جو بہترین انداز ہے علاوہ ان کے جو ان میں سے ظالم ہیں اور یہ کہو کہ ہم اس پر ایمان لائے ہیں جو ہماری اور تمہاری دونوں کی طرف نازل ہوا ہے اور ہمارا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے اور ہم سب اسی کے اطاعت گذار ہیں۔"

(46:29)

مولانا مودودی اس ضمن میں "تفہیم القرآن" میں لکھتے ہیں کہ مباحثہ معقول دلائل کے ساتھ، مہذب اور شائستہ زبان میں اور افہام و تفہیم کی سپرٹ میں ہونا چاہیے تاکہ جس شخص سے بحث کی جا رہی ہو اس کے خیالات کی اصلاح ہو سکے۔ مبلغ کو فکر اس بات کی ہونے چاہیے کہ وہ مخاطب کے دل کا دروازہ کھول کر حق بات اس میں اتار دے اور اسے راہ راست پر لائے۔ اس کو ایک پہلوان کی طرح نہیں لڑنا چاہیے جس کا مقصد اپنے مد مقابل کو نیچا دکھانا ہوتا ہے۔ بلکہ اس کو ایک حکیم کی طرح چارہ گری کرنے چاہیے جو مریض کا علاج کرتے ہوئے ہر وقت یہ بات ملحوظ رکھتا ہے کہ اس کی اپنی کسی غلطی سے مریض کا مرض اور زیادہ نہ بڑھ جائے، اور اس امر کی پوری کوشش کرتا ہے کہ کم سے کم تکلیف کے ساتھ مریض شفایاب ہو جائے۔

احترام مکالمے کی دوسری شرط ہے

مکالمے میں فریق ثانی کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں عزت واحترام دینا چاہیئے۔ تاکہ فرق ثانی کی عزت نفس مجروح نہ ہو جائے اور وہ نہایت توجہ کے ساتھ دلائل کو سن سکے: وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِم مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ O ترجمہ: "اور خبر دار تم لگ انہیں برا بھلا نہ کہو جن کو یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہیں کہ اس طرح یہ دشمنی میں بغیر

سمجھے بوجھے خدا کو برا بھلا کہیں گے ہم نے اسی طرح ہر قوم کے لئے اس کے عمل کو آراستہ کر دیا ہے اس کے بعد سب کی بازگشت پروردگار ہی کی بارگاہ میں ہے اور وہی سب کو ان کے اعمال کے بارے میں باخبر کرے گا۔" (108:6)

مولانا مودودی اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ نصیحت نبی ﷺ کے پیرووں کو کی گئی ہے کہ اپنی تبلیغ کے جوش میں وہ اتنے بے قابو نہ ہو جائیں کہ مناظر و بحث و تکرار سے معاملہ بڑھتے بڑھتے غیر مسلموں کے عقائد پر سخت حملے کرنے اور ان کے پیشواؤں اور معبودوں کو گالیاں دینے تک نوبت پہنچ آئے، کیونکہ یہ چیز ان کو حق سے قریب لانے کے بجائے اور زیادہ دور پھینک دے گی۔[12]

جبکہ محمد کرم شاہ الازہری، تفسیر ضیاء القران، ج1 میں یوں رقمطراز ہیں: مبلغ اگر صحیح تربیت یافتہ نہ ہو تو اپنے نظریات و عقائد کی تبلیغ و اشاعت کے جوش میں وہ حد اعتدال سے تجاوز کر جاتا ہے اور معقولیت کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے نظریات اور عقائد کے متعلق اس کے سامعین کے دلوں میں نفرت اور تعصب پیدا ہو جاتا ہے اور بسااوقات نوبت گالی گلوچ ہو جاتی ہے۔ اس آیت سے مبلغین اسلام کی تربیت مقصود ہے تاکہ وہ اسلام کی دعوت کو پوری شائستگی اور متانت سے پہنچانے کے لئے تیار ہو جائیں۔ انہیں حکم دیا کہ مشرکین کے باطل خداؤں کو برا بھلا نہ کہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مشتعل ہو کر تمہارے معبود حق کی جناب میں گستاخی کرنے لگیں اس انداز سے انہیں اسلام کا پیغام پہنچاؤ اور ان کے عقائد باطلہ کی تردید کرو کہ انہیں تمہاری دعوت قبول کرنے کے بغیر کوئی چارہ کار ہی نہ رہے۔

مولانا محمد شفیع اس حوالے سے تفسیر معارف القرآن، ج3 میں لکھتے ہیں: جو کام اپنی ذات کے اعتبار سے جائز بلکہ کسی درجہ میں محمود بھی ہو مگر اس کے کرنے سے کوئی فساد لازم آتا ہو، یا اس کے نتیجہ میں لوگ مبتلائے معصیت ہوتے ہوں تو وہ کام بھی ممنوع ہو جاتا ہے، کیونکہ معبود انِ باطلہ یعنی بتوں کو برا کہنا کم از کم جائز تو ضرور ہے، اور ایمانی غیرت کے تقاضے سے کہا جائے تو شاید اپنی ذات میں ثواب اور محمود بھی ہو، مگر چونکہ اس کے نتیجہ میں یہ اندیشہ ہو گا کہ لوگ اللہ جل شانہ کو برا کہیں گے تو بتوں کو برا کہنے والے اس کی برائی کا سبب بن جائیں گے۔ اس لیے اس جائز کام کو بھی منع کر دیا گیا۔

گلگت بلتستان میں بدھ مذہب کے آثار

گلگت بلتستان میں بدھ مذہب کے پیروکار نہیں ہیں۔ البتہ بدھ مت کے آثار اب بھی پائے جاتے ہیں اور یہ آثار استوپ یعنی تعمیرات اور شبیہوں کی شکل میں موجود ہیں اس کے علاوہ اس مذہب سے متعلق تحریریں بھی دریافت ہوئی ہیں جن میں مہاتما بدھا کے فرامین درج تھے۔ بدھ مت کے ان آثار پر بات کرنے سے پہلے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم گلگت بلتستان کا مختصراً تعارف پیش کریں تاکہ ہمیں یہ معلوم کرنے میں آسانی ہو گی کہ بدھ مذہب ان دور دراز علاقوں میں کیسے پہنچا؟ اور بدھ مت کی تبلیغ کے لئے کون سا طریقہ اُس دور میں اپنایا گیا؟ گلگت بلتستان کے کن علاقوں پر اور کس شکل میں بدھ مذہب کے آثار محفوظ ہیں؟

گلگت بلتستان کا مختصراً تعارف

گلگت بلتستان کو تقریباً باسٹھ سالوں تک شمالی علاقہ جات کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔ موجودہ وفاقی حکومت نے گلگت بلتستان کو صوبے کے طرز پر انتظامی ڈھانچے میں شامل کیا ہے۔ ''شمالی علاقہ جات پاکستان کے شمال میں نہایت خوبصورت اور دلکش علاقوں میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ علاقے تقریباً 72494 مربع کلومیٹر کے وسیع و عریض رقبے پر پھیلے ہوئے ہیں اور یہ پانچ اضلاع پر مشتمل ہیں جو گلگت، غذر، دیامر، سکردو اور گھانچے کہلاتے ہیں۔ نگر، ہنزہ، یاسین اور گوپس (کی کچھ آبادی) کے علاوہ ضلع گلگت، ضلع دیامر اور ضلع غذر کو ایک ہی ثقافتی زون سمجھا جاتا ہے۔ ارض شمال کے یہ پانچ اضلاع پاکستان کے انتہائی شمال میں واقع ہیں۔ گلگت شمالی علاقہ جات کا دارالخلافہ اور تجارتی مرکز ہے''۔[13]

''گلگت بلتستان میں انتہائی حسین قدرتی مناظر کے ساتھ یہاں ''بہت سے مقامات پر ٹھنڈے اور گرم پانی کے چشمے ابلتے ہیں، جن کا پانی لوگ مختلف بیماریوں کے بطور علاج استعمال کرتے ہیں اور شفایاب ہوتے ہیں۔ رائیکوٹ چلاس کے ابلتے ہوئے چشمے، بر، بڈلس، برست، دماس، پونیال، گرونجر، درکوت، ایمت اور مرتضی آباد ہنزہ کے چشمے علاقہ ہائے گلگت، غذر و دیامر میں بہت مشہور ہیں''۔(۲۶)[14]

ان چشموں کے بارے میں مقامی لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ چشمے شروع سے ہی یہاں موجود نہیں تھے بلکہ بعض بزرگان مذہب نے ان چشموں کو جاری کرایا۔ اس لیے آج بھی لوگ ان چشموں کو نہایت ادب و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ بعض دنیل (کاہن) پانچ، سات، دس، بیس یا چالیس چشموں کا پانی جمع کر کے اس کے ذریعے لوگوں کا علاج کرتے ہیں۔ خصوصا بے اولاد جوڑوں اور جادو سحر سے متاثر لوگوں کو ان چشموں کے پانی کی اشد ضرورت رہتی ہے۔

گلگت بلتستان کے پہاڑوں پر کندہ کاری

یعنی گلگت بلتستان کے پہاڑوں پر جو کندھ کاریاں اب تک دریافت ہوئی ہیں۔ان کا تعلق سیاست، معیشت، معاشرت، ثقافت اور مذہب سے ہے۔ یعنی اس دور کے متمدن علاقوں سے بھی لوگ یہاں سے گزرے ہیں۔ کچھ شکار کی غرض سے، کچھ کاروبار کی غرض سے، کچھ سیر و سیاحت کی غرض اور کچھ لوگ اس کو گزر گاہ کے

طور پر استعمال کرتے تھے۔ ظاہر یہ سفر لمحوں پر محیط نہیں تھا بلکہ مہینوں اور سالوں پر محیط ہوتا تھا۔ پھر قدرتی آفتوں مثلاً سیلاب، آندھی، طوفان اور موسم کی خرابی کے علاوہ انسانی مجبوریاں یعنی بیماری، زاد راہ کی کمی وغیرہ کا بھی انہیں سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اس لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ لوگ جتنا عرصہ یہاں رہے انہوں نے بھرپور زندگی گزاری۔ مذہبی رسومات بھی ادا کرتے تھے۔ پیدائش اور اموات کے مراسم بھی انجام دیتے تھے۔ دفاعی طریقوں پر بھی عمل کرتے تھے۔ شکار بھی کرتے تھے۔ اور راستوں کی نشاندہی کے مروجہ طریقوں کو بھی اپناتے تھے۔ اس ضمن میں یہاں کے اہل قلم لکھتے ہیں:

"شمالی پاکستان کے بلند پہاڑی علاقوں میں ہندوکُش، مغربی ہمالیہ اور قراقرم کے سنگم کے مقام پر دریائے سندھ کے بالائی حصے کے کنارے کے ساتھ ساتھ چٹانوں پر اپنی نوع میں منفرد اور دنیا کے سب سے بڑے مجموعوں میں شمار ہونے والا کندہ کاریوں کا مجموعہ پایا جاتا ہے۔ یہ کندہ کاریاں کوہستان سے بلتستان اور اس سے بھی آگے لداخ اور تبت تک چٹانوں کی ڈھلانوں اور ان کے عمودی پہلوؤں پر پھیلی ہوئی ہیں۔ ابتدائی نوحیاتی دور سے اس علاقے کی آب و ہوا شدید بارشوں کے زیر اثر تھی۔ جس کی وجہ سے وادیوں میں بھی خوب نباتات اگتی تھی۔ اس کے نتیجے میں وہاں قسم قسم کے جنگلی جانور بھی پائے جانے لگے۔

ان موافق حالات کے پیش نظر شکاریوں کے گروپوں کی توجہ اس پہاڑی علاقے کی طرف مبذول ہو گئی جنھوں نے یہاں کی چٹانوں پر پہاڑی بکروں، پیچ دار سینگوں والی بکریوں (مارخور) نیلی بھڑوں جیسے جانوروں کے ابتدائی تصویروں کے علاوہ شکار کے مناظر اور انسانوں کی مختلف قسم کی تصویریں بھی بنائیں۔ جنگلی جانوروں اور شکار کے مناظر کی صرف چند تصویریں واضح طور پر دو ہزار سال قبل مسیح کی ہو سکتی ہیں۔ اشکومن اور یاسین میں کلاں سنگی (پتھروں سے تعمیر کردہ) گول قبریں بھی اسی دور کی معلوم ہوتی ہیں۔ پہلے ہزار سال قبل مسیح کے آغاز کے ساتھ ہی وادی سندھ کے بالائی حصہ میں ایک نئی قوم داخل ہوئی جن کا تعلق شاید سیتھین یا ساکن قبیلوں سے ہو سکتا ہے۔ بسولے کی مدد سے تراشی گئی نمایاں طور پر یوریشیائی انداز کے جانوروں کی تصاویر وسطی ایشیاء کے میدانی علاقے کے ان خانہ بدوشوں کی باقیات ہو سکتی ہیں۔

چھٹی صدی قبل مسیح میں ہخامشی سلطنت کی مشرق کی سمت توسیع کے نتیجے میں ہندوستانی صوبہ گندھارا اور سندوس (سندھ) کے قیام کے ساتھ دریائے سندھ کی بالائی وادی میں بھی ایرانی اثرات پھیل گئے۔ یہ اثرات چٹانوں پر نہایت مہارت سے کندہ جنگجوؤں، سٹائلائزڈ گھوڑوں، افسانوی مخلوقات

میں ایک ٹانگ پر کھڑے ہونے کی خاصیت رکھنے والی تصویروں میں خاص طور پر دکھائی دیتے ہیں۔گلگت بلتستان میں زمانہ قبل از تاریخ کی بودوباش اور دیگر حالات سے آگاہی کے لئے قابل اعتبار مواد نہ ہونے کے برابر ہے۔علاقے میں جو آثاریاتی شواہد موجود ہیں ان کی مدد سے ماہرین وسطی ہجری دور سے فروغ اسلام تک کی گمشدہ کڑیاں تلاش کرنے میں مصروف ہیں جس میں انہیں جزوی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔یہ جملہ آثاران دیو قامت چٹانوں پر کندہ ہیں جو قدیم گزرگاہوں یا دریا کے حاشیوں پر واقع ہیں۔اس قسم کے سنگی نقوش کا مطالعہ مقامی جغرافیائی حقائق کے ساتھ ساتھ ماورائے پامیر علاقہ (زنگ ژیانگ) لداخ،تبت، سائبیریا، کشمیر اور سوات کے حوالے سے بھی کیا گیاہے۔ایک وسیع منطقہ پر پھیلے ہوئے ان کندہ کاریوں میں ایک تاریخی ربط نظر آتا ہے۔

گلگت بلتستان میں فکر نگاری(Ideography)تصویر نویسی (Pictography) اور صوت نویسی (Hierography)کے یہ نادر سنگی نمونے چلاس، شتیال، نوپورہ، گلگت، تھلپن، رائیکوٹ پل، ہنزہ، یاسین اور سکردو میں پائے جاتے ہیں۔گلگت بلتستان کے راک آرٹ اور پامیر والتائی نقوش میں بھی مشابہت پائی جاتی ہے۔ یہاں کی قدیم ترین تاریخ غار نشین سماج(Troglodyte Society) اور سنگی فن پاروں کے آغاز سے شروع ہوتی ہے۔ماہرین اس بات سے بھی متفق ہیں کہ چھ ہزار دو سو سے لے کر نو ہزار پانچ سو سال قبل مسیح کے دوران پاکستان کے یہ شمالی خطے شدید بارشوں کی زد میں رہے۔ نتیجہ یہ کہ یہاں زبردست ہریالی ہوئی۔ جہاں سبزہ و شجر ہو وہاں جنگلی حیات تو لازمی ہے۔لہٰذا دور دراز کے بعض آوارہ وطن شکاری گروہ ان خطوں کی طرف بھی متوجہ ہوئے۔انہوں نے موسمی یا عارضی قیام کے دوران یہاں کی چٹانوں پر خمدار سینگوں والے بکروں اور نیلی بھیڑوں کی بھدی شکلیں کندہ کیں۔

ہو بہو اس طرح کے نقوش مغربی ایشیاء اور سائبیریا کی چٹانوں پر بھی کندہ ہیں۔ان اشکال میں مشابہت کی ایک وجہ ایک ہی شکاری گروہ (Hunting Band) کا آرٹ ہے جو تین ساڑھے تین ہزار سال قبل مسیح سے متعلق ہے۔ اشکومن اور یاسین میں موجود کلاں سنگی دائرے (Megalith Circles) بھی اس زمانے کے مدفن خیال کیے جاتے ہیں۔یوریشیائی انداز کے جانوروں کی تصویریں سیتھین (Scythian) قبائل کی بنائی ہوئی ہی جو پہلی ہزاریہ قبل مسیح میں یہاں وارد ہوئے۔ یہ تصویریں بسولے کی چوٹ سے بنائی گئی ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سیتھین (Scythian) قبائل دھاتی اوزار لے کر آئے تھے یا بنانے پر قادر تھے۔اس طرح کی تصویر یا علامت نگاری کا پھیلاؤ

سندھ کے بالائی علاقوں سے لے کر تبت تک ہے۔ شکاریوں کے بعد کلاں سنگی معماروں (Megalith Builders)کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے غالباً مسقّف رہائش اختیار کی، زینہ نما کھیت بنائے اور برفانی نالوں کے پانی سے کاشتکاری کا آغاز کیا"۔[15]

پیغامات اور عقائد

گلگت بلتستان کے مختلف علاقوں سے گزرنے والوں نے جب یہاں پر زندگی گزارنے کے اسباب کو دیکھا تو ان میں سے بعض یہاں رکے رہے اور ان علاقوں کو اپنا مسکن، اور مستقل رہائش کے لئے منتخب کیا۔ پہاڑی سلسلوں اور دشوار گزار راستوں کی وجہ سے یہاں بسنے والوں کا ایک دوسروں سے رابطہ بہت کم رہتا تھا۔ ماہرین کا یہ بھی کہنا ہے کہ گلگت بلتستان میں بولیوں کی کثرت (مختلف زبانیں) کی ایک وجہ ایک دوسروں سے قطع تعلق بھی ہے۔ اس کے علاوہ یہاں مختلف النسل، مختلف زبان بولنے والے اور مختلف علاقوں سے لوگ آکر آباد ہوئے ہیں۔ ہر گاؤں میں اُس دور کے لحاظ سے اسباب زندگی مہیا تھے اس لیے انہیں اس گاؤں سے نکلنے کا بہت کم موقع ملا۔ دشوار گزار پہاڑی راستوں پر یہاں سے گزرنے والوں نے اس دور کے ممکنہ وسائل کے ذریعے پہاڑوں پر کچھ نہ کچھ لکھتے تھے۔ یعنی اس گاؤں سے آگے گاؤں کیسے پہنچا جا سکتا ہے؟ پانی کہاں ہے؟ شکار کس قسم کا ہے؟ مشکلات کیا ہیں؟ اسباب کیا ہیں؟ اور مذہب کون سا ہے؟ ماہرین کا کہنا ہے کہ:

"گلگت بلتستان میں اقوام سابقہ کے حیرت انگیز اور متنوع آثار باقی ہیں۔ یہ نقوش پارینہ چٹانوں پر کندہ علامت نگاری (Ideography) اور قدیم خط تصویری (Pictography) کے علاوہ تعمیرات و مقابر کی صورت میں موجود ہیں۔ جرمن ماہر آثار قدیمہ پروفیسر ہیرالڈ ہاپٹمین کی تحقیق کے مطابق ان علاقوں میں واضح بشری سرگرمیوں کا آغاز لگ بھگ تین ہزار سال قبل مسیح سے ہوا۔ شکار کے لئے سرگرداں جتھے، رسوم پرست انسان اور قریبی زمانے کے اسپ سوار تجارتی طائفوں نے چٹانوں پر اپنے خیالات، عقائد اور پیغامات کندہ کیے۔ مغربی ماہرین اثریات انیسویں صدی میں ان علاقوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ اولین میں ہنگری کے، کے ای اج فلوی، سر آرل سٹین اور جرمنی کے، اے ایچ فرینکے شامل ہیں۔ مسٹر فلوی نے ۱۸۸۴ء میں بلتستان کے سنگی نقوش پر کام کیا۔ مسٹر فرینکے یوں تو ماہر لسانیات تھے تاہم انہوں نے لداخ میں موجود آثاریات پر سائنسی انداز سے کام کیا۔

۱۹۸۴ء میں جرمنی کے پروفیسر کارل جٹمار ضلع دیامر کی طرف متوجہ ہوئے۔ اب ہائیڈل برگ جرمنی میں باقاعدہ ریسرچ سنٹر قائم کیا گیا ہے جس کے سربراہ مسٹر ہاپٹمین ہیں۔ گلگت بلتستان کی چٹانوں پر خروشتی، براہمی، سوگدی ین، شاردا اور قدیم چینی زبان میں تحریریں کندہ۔ مغربی جامعات کا اپنا ایک اعلیٰ معیار ہے۔ وہاں

آج بھی معدوم مشرقی زبانوں کے ماہرین موجود ہیں۔ گیرارڈ فسمین خروشتی کے ماہر ہیں۔ اوسکروان ہنوبر براہمی شناس، نکولس سمس ولیمز سوگدی ین مفسر اور تھامس اوہالمین قدیم چینی زبان کی گتھیاں سلجھاتے ہیں"۔[16]

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے کہ آج مغرب میں مختلف علوم کے ماہرین پائے جاتے ہیں تو اس کے پیچھے ان کے اسلاف کی قربانیاں ہیں یعنی بہت سے ممالک کے اہل علم حضرات ان علاقوں پر آئے ہیں اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے وہ یہاں کے قدرتی مناظر، قدرتی نعمتوں اور انسانی آبادیوں کے قدیم اور جدید طرز تعمیر کے علاوہ زبان، ثقافت، رسم و رواج اور رہن سہن کو عملی طور پر دیکھتے ہیں اور ان معلومات کے پس منظر سے اپنی قوم کو آگاہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے ہاں ادارے وجود میں آئے ہیں۔ اس وقت صورتحال کچھ اس طرح ہے گلگت بلتستان سے متعلق معلومات لینے کے لئے یہاں کے اہل علم اور دانشور مغربی جامعات یا وہاں کے دانشوروں سے رابطہ کرتے ہیں۔

مہاتمابدھا سے منسوب استوپ اور تحریریں

گلگت بلتستان میں بدھ مذہب سے متعلق آثار دو طرح سے ملتے ہیں۔

(الف) استوپ (Stupa)۔ یعنی تعمیرات اور شبیہیں۔ جہاں تک تعمیرات کی بات ہے تو یہاں کے اہل علم حضرات کا کہنا ہے کہ نلت اور ہیزل میں باقاعدہ تعمیرات تھیں۔ مہاتمابدھا کی شبیہیں نپورہ گلگت، ہُر پونیال، تھلپن، چیلاس، شتیال اور منٹھل بلتستان کے پہاڑوں پر اب بھی موجود ہیں۔

(ب) تحریریں۔ تحریروں میں ایک شکل جتاکا کہانیوں پر مبنی ہوتی ہیں۔ یعنی مہاتمابدھا کی پیدائش سے موت تک کی باتیں۔ جو گلگت بلتستان میں نہیں پائی جاتی ہیں جبکہ دوسری شکل فرامین بدھا کی ہیں۔ ۱۹۳۱ء کو نپورہ گلگت میں مٹی کے ٹھیکریوں پر فرامین دریافت ہوئے تھے جو سنسکرت زبان میں لکھے ہوئے تھے۔ اس حوالے سے یہاں کے اہل قلم لکھتے ہیں کہ "پہلی صدی قبل مسیح میں کشان کے دور میں وادی سندھ میں بھی بدھ مذہب داخل ہوا جو پانچویں صدی سے آٹھویں صدی تک اسی علاقے میں خوب پھیلا۔ کچھ چٹانوں پر مہاتمابدھ کے سابقہ وجودوں کے سلسلہ وار تصویریں اور جاتکا مناظر کی تصاویر نہایت فنکارانہ انداز میں کندہ ہیں۔ ان میں سے چلاس اور تھلپن کی چٹانوں کو سجانے والی تین (ٹائیگر جاتکا، بڑا شیطانی جاتکا اور سبی جاتکا) تصویریں واضح طور پر ایک ہی ہاتھ کی کندہ ہیں اور پانچویں سے ساتویں صدی کی ہو سکتی ہیں"۔[17]

عثمان علی صاحب لکھتے ہیں کہ " گلگت میں بدھ دھرم مہاراجہ اشوک کے دور حکومت میں پھیلا کیونکہ اسی دور میں بدھ مت کی تبلیغ و اشاعت کے لئے سرکاری سطح پر بے انتہا کوششیں کی گئیں۔ اشوک کی سلطنت وسیع تھی۔ کشمیر، نیپال، تبت، منگولیا، افغانستان اور شمالی ہندوستان کے بیشتر علاقے اس کی حکومت میں شامل تھے۔ ان

علاقوں اور غیر ممالک میں بھی بدھ مت کی اشاعت کے لئے اشوک نے کئی اہم کام کیے۔ بدھ دھرم کے مذہبی احکام اور قوانین پتھروں، چٹانوں اور ستونوں پر کنداکرا کر جگہ جگہ نصب کروا دیئے گئے۔ مبلغین، بھکشوؤں اور مہاماتروں کی جماعتیں چاردانگ عالم میں بکھیر دی گئیں۔ کشمیر اور ملحقہ تمام علاقوں بشمول گلگت اور بلتستان پر کسی تبلیغی مذہب کی پرچھائیں نہ پڑی تھیں۔ کہتے ہیں بنارس، پاٹلی پتر اور دیگر مرکزی علاقوں سے جوشیلے اور جفاکش بدھ راہب، بھکشو اور مبلغین ان پہاڑی علاقوں میں پھیل گئے تاکہ بدھ دھرم کی تبلیغ کریں"۔[18]

یعنی اس بات میں کوئی شک نہیں کہ گلگت بلتستان کے پہاڑوں پر جو کندہ کاریاں نظر آتی ہیں ان میں زیادہ تر بدھ مذہب کے مبلغین کی محنت ہے۔ وہ ان شبیہوں کے ذریعے لوگوں میں مذہبی رسومات کو ادا کرنے کا خوگر بناتے تھے۔اس کے علاوہ وہ اس بات کا اہتمام بھی کرتے تھے کہ دور دراز کے علاقوں سے بدھ مذہب کے ماننے والے ان شبیہوں کی زیارت کو آئیں۔ اس طرح مذہبی فریضہ کی ادائیگی کے ضمن میں مختلف علاقوں میں رہنے والوں کے درمیان تعلقات قائم رہے اور اس طرح ان شبیہوں اور زائرین کی مدد سے بدھ مذہب کو فروغ ملے۔

نوپورہ گلگت میں بدھ مت سے متعلق آثار

گلگت شہر میں کئی محلے آباد ہیں۔ ان محلوں میں سے اکثر محلے اپنی ایک الگ تاریخ رکھتے ہیں۔نوپورہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے اس جگہ کو آباد کیا گیا۔ یعنی نوپورہ سے گلگت شہر کی تاریخ کی ابتدا ہوئی۔زرخیز اور ہموار زمین ہونے کی وجہ سے لوگوں نے اسے خوب آباد کیا۔ سیلاب کے کٹاؤ کی وجہ سے یہ خوبصورت اور پھیلی ہوئی آبادی چند گھرانوں تک محدود ہو کر رہ گئی۔ یہاں پر مہاتما بدھا کی شبیہ بڑی مہارت کے ساتھ پہاڑ پر بنایا گیا ہے جس کے بارے میں طرح طرح کی باتیں مشہور ہیں۔ مثلاً یہ ایک دیونی تھی جو انسانوں کا شکار کرکے کھاتی تھی۔ کارگاہ نالہ میں انہوں نے اپنے رہنے کے لئے ایک غار بنایا ہوا تھا۔ ایک دن ایک بزرگ یہاں آیا اور انہوں نے اس دیونی کے ظلم و زیادتی کے واقعات سن کر لوگوں کو اس کے شر سے آزاد کرانے کا عزم کیا۔ جب یہ بزرگ اس کے پاس پہنچا تو انہوں نے اس کا شکار کرنے کی کوشش کی مگر بزرگ اپنی روحانی طاقت کے ذریعے اسے پتھر کے بت میں تبدیل کر دیا۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ راجہ شری بدت کی بہن تھی اور ان کا تعلق دیوذات (جنات) سے تھا یہ دونوں بہن بھائی انسانوں کو قتل کر کے ان کا گوشت کھایا کرتے تھے۔ یہاں کے ایک مشہور دینل (کاہن) کو جب اس دیونی کی ادم خوری کا علم ہوا تو وہ کارگاہ پہنچا اور چلی (Pine) کا دھواں کھا کر (یہاں کے کاہن چلی کے دھواں منہ کے ذریعہ پیٹ تک پہنچاتے ہیں اس دھوے کے ساتھ ان کی پریاں جسم میں حلول کر جاتی ہیں) اپنے اوپر دنیل کی کیفت طاری کی اور اس سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ کا باپ آج مر گیا ہے۔ اس دیونی نے جب یہ خبر سنی تو اپنا سیدھا ہاتھ شدید غم سے اپنے سینہ پر مارا۔

دنیل نے فوراً لوہے کی ایک بڑی میخ اس کے ہاتھ پر ٹھونک دیا۔ اس کے بعد دنیل نے پھر کہا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کا بھائی بھی مر گیا ہے۔ اس نے اپنا بایاں ہاتھ اپنی ران پر مارا، دنیل نے ایک میخ اس ہاتھ پر بھی ٹھونک دی۔ اور پھر اپنے منتروں کے ذریعے اسے بت بنا دیا۔ جب کہ محققین کا کہنا ہے کہ یہ دیونی نہیں بلکہ مہاتما بدھا کی شبیہ ہے۔

"گلگت شہر سے یہی کوئی سات کلومیٹر مغرب کی طرف ایک عمودی چٹان پر مہاتما بدھ کی تین میٹر اونچی مورتی نقش ہے۔ ماہرین اس کی قدامت آٹھویں صدی عیسوی بتاتے ہیں۔ یہ مورتی سطح زمین سے کافی بلند ہونے کی وجہ سے انسانی چھیڑ چھاڑ سے محفوظ ہے"۔[19]

گلگت سے چند کلومیٹر دور کارگہ کے قریب ایک چٹان پر بُت کا مجسمہ کندہ ہے، جسے مقامی لوگ 'یا چھنی' کہتے ہیں۔ 'یا چھنی' ینیچھ کی مادہ ہے جو ایک جناتی مخلوق تصور ہوتی ہے۔ کارگہ کے اس بت سے وابستہ کئی کہانیاں بھی ہیں، جہاں تک بت کی اصلیت کا تعلق ہے۔ یہ 'چمبہ بدھو' کا مجسمہ بتایا جاتا ہے جو مہاراجہ اشوک کی حکمرانی کے آخری دور میں مداین تکا کے جوشیلے بھکشوؤں نے یاکھانی (کشمیر کی ملکہ) کے حکم سے بنایا گیا تھا۔ یاکھانی کی مناسبت سے یہ بُت (یا چھنی) کے نام سے معروف ہوا کیونکہ ینیچھ اور یا چھنی مقامی طور پر جنات کے ناموں کے لئے مستعمل تھے۔[20]

بوبر پونیال میں بدھ مت سے متعلق آثار

"بُوبر پونیال میں بھی ایک چٹان پر مہاتما بدھ کی شبیہ کندہ ہے۔ پروفیسر احمد حسن دانی مرحوم اپنی کتاب ہسٹری آف ناردرن ایریاز میں لکھتے ہیں کہ یہ چٹانی مورتی آج کل راجہ علی احمد جان مرحوم کے گھر میں موجود ہے"۔[21]

ہنزل اور جوٹیال میں بدھ مت سے متعلق آثار

"ہنزل میں واقع بدھ مت کا مجسمہ اور جوٹیال گلگت کی مغلی شکار بھی تاریخی اہمیت کے حامل ہیں"۔[22]

چیلاس دیامر میں بدھ مت سے متعلق آثار

"علاوہ ازیں چلاس، ہڈر، تھور، گیچی، تھلپن اور منارگہ سے شتیال تک دریائے سندھ کے بائیں کنارے چٹانوں پر کندہ تصویریں اور تحریریں آج بھی لوگوں کو دعوت نظارہ دے رہی ہیں"۔[23]

منٹھل بلتستان میں بدھ مت سے متعلق آثار

"سکردو میں بھی سدپارہ جانے والے راستے پر بدھا اور اس کے شاگردوں کی شبیہیں کندہ ہیں"۔[24]

گلگت بلتستان میں دنیل، پری، چڑیل وغیرہ کے اثرات

دنیل، پری، چڑیل، میٹو، پشو، ششلی، پاریان، سونے چیئی، یمالے اور یثولو وغیرہ کے بارے میں بہت سے واقعات

منسوب ہیں اور انہیں معاشرہ کا ایک حصہ سمجھا جاتاہے۔مثلاً ان کے بارے میں یہ کہا جاتاہے کہ: ''پری زادیوں کے لئے یہاں 'برای' کی اصطلاح عام استعمال ہوتی رہی ہے۔ لوگوں کے خیال کے مطابق برای مختلف افراد سے وابستہ ہو کر ان کی حفاظت کیا کرتی ہیں۔ شنامیں 'برای بے ٹن' ایک محاورہ ہے جس کا لفظی معنی 'پری بیٹھی ہے' بنتا ہے جو عام طور پر برکت ہونے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ محاورہ ان مواقع پر استعمال ہوتا ہے جب گھر میں کسی چیز کی بہتات ہو جائے''۔[25]

''ہڈُر (چلاس) کے علاقے میں یہ قصہ مشہور ہے کہ بہرام شہزادہ کا مسکن نوپورہ گلگت میں تھا۔ شہزادہ کا مقابلہ دیوزاد مخلوق سے ہوتا تھا۔ ایک دفعہ شہزادہ گلگت سے پہاڑی راستے کے ذریعے ہڈُر آیا تو اس کا سامنا ایک دیو سے ہوا۔ بہرام شہزادہ کا ایک برق رفتار گھوڑا تھا، جو 'بادہوا' کے نام سے موسوم تھا۔ جب دیوان کے راستے میں مزاحم ہوا تو شہزادہ نے حملے کے لئے گھوڑے کو ایڑ لگائی تو اس کا گھوڑا اڑا۔ لوگوں کے مطابق گھوڑا جس جگہ سے اڑا اور جہاں اترا ان دونوں جگہوں پر گھوڑے کے پاؤں کے نشانات آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ ہڈُر کے اس جگہ کا نام 'چماں' ہے۔ بعد میں شہزادہ ہڈُر سے کارگاہ نالہ کے راستے واپس گلگت آیا''۔[26]

''قدیم گلگت توہمات اور مافوق الفطرت اساطیر کا گڑھ تھا۔ جنوں، پریوں، چڑیلوں، بھوت بھوتنیوں کے اہم مراکز اور مساکن یہیں خیال کیے جاتے تھے۔ دیامر، راکھاپوشی، بلچھار اور دیگر پہاڑوں پر بھوت پریت اور پریوں کے گھر تھے۔ عام آبادیوں میں انسانوں کے ساتھ یاں چھولو بھی آباد خیال کیے جاتے تھے''۔[27]

مذکورہ تمام باتوں کے حوالے سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہاں مختلف مذاہب کے ماننے والوں کا جب گزر ہوا تو انہوں نے مقامی لوگوں کی ذھن سازی کی اور ان غیر مرئی مخلوقات کو کنٹرول کرنے اور ان کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے ان کے دھرم یا مذہب کو اختیار کرنے پر زور دیا۔ اس کے کچھ عملی مظاہرے انہوں نے جادو سحر کے ذریعہ کرایا بھی ہو گا۔ سادہ لوح لوگوں نے ان واقعات کو حقیقت جانا اور انہیں نئی نسلوں تک منتقل کرتے رہے۔اس طرح ان مذاہب سے متعلق واقعات اور کہانیاں ناموں کی تبدیلی کے ساتھ آج بھی معاشرے میں گردش کرتی ہیں۔

چین سے آنے والے سیاحوں کے سفرنامے

جس طرح آج کل شاہراہ قراقرم کے ذریعے تاجر برادری چین سے تجارتی لین دین کے رشتے سے منسلک ہیں۔ اس طرح پہلے بھی یہاں سے لوگ چائنا جاتے تھے اور وہاں سے چینی باشندے یہاں آتے تھے۔ میل جول کا یہ سلسلہ قدیمی ہے گو کہ آنے جانے کے راستے اور مقاصد ہمہ جہت تھے۔

''ہندوستان کی قدیم تاریخ کی بنیاد بھی آریان، میگا ستھینز، ٹولمی، اور بعد ازاں فاہیان، ہواین تسانگ، ابن بطوطہ، وغیرہ کے سفر ناموں پر ہے۔ یہاں کے مقامی لوگوں کو اپنی روایات اور مذہب معمول کی اور عام چیز لگتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے انہیں ریکارڈ کرنے میں کوئی دلچسپی نہ لی اور نہ ہی انہیں پنجاب سے لے کر زیریں، جنوبی ہند کے پرانے شہر تک کے فاصلے بیان کرنے کی کوئی ضرورت تھی۔ وہ چیزوں کو معروضی (Objective) طور پر دیکھنے کے قابل نہ تھے۔ ان کے لئے سب کچھ موضوعی تھا۔ چنانچہ قدیم ہندوستان کی معروضی تصویر ہمیں یہاں آنے والے زائرین اور مسافروں کی تحریروں میں ہی مل سکتی ہے۔ مسیح کے بعد پہلے ایک ہزار سال میں دو چینی سیاحوں فاہیان اور ہواین تسانگ نے ہیں یہ تصویر فراہم کی، اور بعد میں انگریز ایڈیٹروں نے حاشیوں کے ذریعہ اس تصویر کے دھندلے پڑ چکے نقوش کو واضح کیا۔ اول الذکر سیاح فاہیان چوتھی صدی عیسوی میں آیا اور موخرالذکر اس کے دو سو سال بعد''۔[28]

مذکورہ چینی سیاحوں نے اُس وقت کے گلگت بلتستان کا جو مذہبی منظر نامہ پیش کیا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

''منگلی شہر سے شمال مغرب کی طرف ایک پہاڑ کو پار کر کے اور ایک وادی میں سے گزر کر ہم دریائے سن تیو (سندھ) پر واپس چڑھتے ہیں۔ راہیں کٹی پھٹی اور ڈھلوانی ہیں، پہاڑ اور وادیاں تاریک اور افسردہ ہیں، کہیں ہمیں رسوں کے ذریعہ اور کہیں (گھاٹیوں کے آر پار تنی ہوئی) زنجیروں کے ذریعہ پار جانا پڑا۔ یہاں ہوا میں معلق ڈھانپے ہوئے راستے اور کھائیوں کے اوپر جھولتے ہوئے پُل ہیں جن پر چڑھنے کے لئے لکڑی کی سیڑھیاں لگی ہیں تاکہ ڈھلوانی کناروں پر چڑھ کر زمیں پر آ سکیں۔ یوں تقریباً ۱۰۰۰ لی (ایک میل ۵ لی کے برابر ہے) کا سفر کر کے ہم تا۔لی۔لو۔ کی دریائی وادی میں پہنچتے ہیں جہاں کبھی اُدیان کا دارالحکومت قاء تھا۔ یہ ملک بہت سا سونا اور خوشبودار ہلدی پیدا کرتا ہے۔ اس دریل وادی میں ایک برے آشرم کے پہلو میں میتریہ بودھستو کا لکڑی سے بنا ہوا ایک بت ہے۔ اس کا سنہری رنگ بہت چمکدار ہے اور یہ ایک خفیہ روحانی قوت رکھتا ہے۔ یہ تقریباً ۱۰۰ فٹ اونچا ہے اور اسے ایک ارہت مدھیا لچک نے بنایا''۔[29]

''تا۔تی۔لو۔ دارل یا دریل۔ دریائے سندھ کے مغربی یا دائیں کنارے پر ایک وادی جو نصف درجن شہروں پر مشتمل ہے اور یہاں دارد یا درد لوگ رہتے ہیں''۔[30]

''مینگ کی لی کے شمال مشرق میں آپ پہاڑ اور دریا عبور کر کے دوبارہ سن تو کی طرف بڑھتے ہیں۔ راستہ پُرخطر اور ڈھلوانی ہے، پہاڑ فلک بوس اور کھائیں اتھاہ گہری ہیں۔ آپ رسے پکڑ کر یا لوہے کی زنجیروں سے بنے پلوں پر چلتے ہیں۔ یوں ۱۰۰۰ لی سے زیادہ فاصلہ طے کرنے پر ضمنی دریا تالولی آتا

ہے۔ یہیں آپ کو اُوچنگ نا کا قدیم دارالحکومت ملتا ہے۔ یہاں سے بہت سا سونا اور خوشبودار پودا یوکن لایا جاتا ہے۔ تالی لو میں، عظیم آشرم کے نزدیک مہربان بودھستو کا لکڑی سے بنا ہوا ایک مجسمہ ہے۔ یہ سنہری رنگ کا، شاندار اور شاہانہ، اور ۱۰۰ فٹ سے زیادہ اونچا ہے۔ اسے ارہن موتیان تی کیا نے تعمیر کیا۔ اس کی تعمیر کے بعد دھرم نے مشرق میں کافی ترقی پائی۔ اس جگہ کے مشرق میں پہاڑ اور وادیاں عبور کر کے ۵۰۰ لی کا فاصلہ طے کرنے پر آپ شمالی ہند کی سرحد پولولو میں پہنچتے ہیں"۔[31]

"پو۔لیو۔لو، ملک کا رقبہ ۴۰۰۰ لی ہے، یہ عظیم برفیلے پہاڑوں کے درمیان میں واقع ہے۔ یہ شرقاً غرباً لمبا اور شمالاً جنوباً تنگ ہے۔ یہ گندم اور دالیں، سونا اور چاندی پیدا کرتا ہے۔ سونے کی وسیع مقدار کی بدولت ملک میں بہت سا سونا موجود ہے۔ موسم متواتر سرد رہتا ہے۔ لوگ اپنے کردار میں غیر مہذب اور کرخت ہیں، ان کے ہاں انسانیت یا انصاف بہت کم ہے اور کریم النفسی کا تو انہوں نے نام تک نہیں سنا۔ وہ ظاہری شکل و صورت میں قابل نفرت اور بدصورت ہیں، وہ اُن سے بُنے کپڑے پہنتے ہیں۔ اُن کے حروف تقریباً ہند جیسے ہیں اور زبان کچھ مختلف۔ اس ملک میں تقریباً ایک سو آشرم ہیں جہاں کوئی ۱۰۰۰ بھکشو رہتے ہیں۔ انہیں علم حاصل کرنے کا کوئی زیادہ جوش و شوق نہیں اور اپنے اخلاقی رویہ میں بھی بے احتیاط ہیں"۔[32]

"بولور جدید بلتی، بلتستان یا چھوٹا تبت ہے۔ مارکو پولو نے بھی بولور نامی ایک ملک کا ذکر کیا مگر اُس کی جائے وقوع سطح مرتفع پامیر کے شمال مشرق میں بتائی۔ درحقیقت چینی اس اصطلاح (پولے) کے تحت چترال سے لے کر سوات تک کی شمالی سرحد تک شمار کرتے تھے۔ مارکو پولو نے یہاں کے لوگوں کو "وحشی بت پرست" اور "ایک بُری نسل" کہا۔ یہ علاقہ قدیم ترین زمانوں میں اپنے سونے کی پیداوار کے لئے مشہور تھا"۔[33]

"پولولو بلاشبہ بولور کا چینی تلفظ ہے۔ کیپٹن کننگھم نے اس بارے میں لکھا۔ میں خوش قسمت ہوں کہ کشمیر کے شمال میں واقع علاقوں کے تقابلی جغرافیہ میں ایک نہایت اہم اور دلچسپ نکتہ ڈھونڈپ ایا۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ بولور کا قدیم علاقہ موجودہ بالٹی یا چھوٹا تبت ہی تھا۔ کافی عرصہ تک ہمارے نقشوں میں بولور پہاڑوں کا مقام غیر یقینی رہا، لیکن اب میں اس کا تعین کرنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ وہ دراصل مزتک نامی سلسلہ کوہ ہیں جو بالٹی علاقہ کی شمالی حد تشکیل دیتے ہیں۔ بسورا، گلگت، چلاس، دریل، کوہلی، پالس اور دریائے سندھ کے کنار پر واقع تمام شینا زبان بولنے والوں میں بالٹی کو صرف پلولو کے نام سے جانا جاتا ہے"۔[34]

نتیجہ

آخر میں نتیجہ کے طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ گلگت بلتستان میں مختلف مذاہب کے پیروکار وقتا فوقتا یہاں آتے رہے ہیں۔اور انھوں نے اپنے مذہب کے حوالے سے تبلیغات بھی کیں ہیں۔ خصوصاً بت مذہب کے مبلغین نے ان علاقوں پر زیادہ توجہ دیا۔آج بھی اس مذہب سے متعلق آثار پائے جاتے ہیں۔اس وقت دنیا کے مختلف ممالک سے لوگ سیاحت کی غرض سے یہاں آتے ہیں اور بت مذہب کے پیروکار جب ان جگہوں پر پہنچتے ہیں تو نہایت ادب و احترام اور عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ بین المذاہب مکالمے کے لئے گلگت بلتستان کے ان آثار کو بنیاد بنا کر ہم ایک علمی، تحقیقی اور تجزیاتی کام کی بنیاد ڈال سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں مختلف اداروں اور اہل علم، اہل دانش حضرات کو آگے بڑھ کر کام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ہمارا یہ قدیمی آثاثہ قدرتی آفتوں کے ذریعہ ذائع ہونے نہ پائے۔

*****

References

---

1. Chaudhry Ghulam Rasool, *Mahzaib Alam ka Taqahbli Mutaliya* (Lahore, Ilmi Kitabkhana, 1976), 232-245.

چودھری غلام رسول، *مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ* (لاہور، علمی کتاب خانہ،1976ء)، 232۔245۔

2. Amulya Ranjan Mohapatra, *Philsafa Mahzaib* Mutrajam: Yasar Jawad (Lahore, Fiction House, 2010), 182-183.

امولیہ رنجن مہاپتر، *فلسفہ مذاہب*، مترجم: یاسر جواد (لاہور، فکشن ہاؤس، 2010ء)، 182-183۔

3. Ibid, 184.

ایضاً،184۔

4. Ibid, 185.187.

ایضاً،185۔187۔

5. Ibid, 188.

ایضاً،188۔

6. Ibid, 188-189.

ایضاً،188۔189۔

7. Ibid, 191.

ایضاً، 191۔

8. Ibid, 192.

ایضاً، 192۔

9. Ibid, 193.

ایضاً، 193۔

10. Ibid, 193-194.

ایضاً، 193۔194۔

11. Chaudhry Ghulam Rasool, *Mahzaib Alam ka Taqahbli Mutaliya*, 232-245.

چودھری غلام رسول، *مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ*، 232۔245۔

12. Ibid, Vol. 1, 571.

ایضاً، ج1، 571۔

13. Pakistan ka Saqafti Encyclopedia, Silsala Karakoram Himalaya, Hindu Kush (Northern Areas) Vol. 1 (Lahore, Al-Faisal Nasheran wa Tajran Kutab, nd.), 1.

پاکستان کا ثقافتی انسائیکلوپیڈیا، سلسلہ قراقرم، ہمالیہ، ہندوکش (شمالی علاقہ جات) ج1 (لاہور، الفیصل ناشران وتاجران کتب، سن ندارد)، 1۔

14. Ibid, 3.

ایضاً، 3۔

15. Sher baaz Ali Barcha, Ghair Matboha Kitab Aks Gilgit,

شیر باز علی برچہ، غیر مطبوعہ کتاب عکس گلگت۔

16. Ibid.

ایضا۔

17. Ibid.

ایضا۔

18. Usman Ali, *Shanology* (Gilgat, Osmani Kutabkhana, 1991), 101.

عثمان علی، *شنالوجی* (گلگت، عثمانی کتب خانہ، 1991ء)، 101۔

19. Sher baaz Ali Barcha, Aks Gilgit.

برچہ، عکس گلگت۔

20. Usman Ali, *Shanology*, 104.

عثمان علی، *شنالوجی*، 104۔

21. Sher baaz Ali Barcha, Aks Gilgit.

برچہ، عکس گلگت۔

22. *Pakistan ka Saqafti Encyclopedia, Silsala Karakoram Himalaya, Hindu Kush* (Northern Areas), 3-4.

پاکستان کا ثقافتی انسائیکلوپیڈیا، سلسلہ قراقرم، ہمالیہ، ہندوکش (شمالی علاقہ جات)، 3-4۔

23. Ibid, 3.

ایضاً، 3۔

24. Sher baaz Ali Barcha, Aks Gilgit.

برچہ، عکس گلگت۔

25. *Pakistan ka Saqafti Encyclopedia, Silsala Karakoram Himalaya, Hindu Kush* (Northern Areas), 4.

پاکستان کا ثقافتی انسائیکلوپیڈیا، سلسلہ قراقرم، ہمالیہ، ہندوکش (شمالی علاقہ جات)، 4۔

26. Ibid, 3-4.

ایضاً، 3-4۔

27. Usman Ali, *Shanology*, 104.

عثمان علی، شنالوجی، 104۔

28. Fahyan, *Fahyan ka Safer Nama Hind*, Mutrajam: Yasir Jawad (Lahore, Khaliqat, 2000), 5.6.

فاہیان، فاہیان کا سفر نامہ ہند، مترجم: یاسر جواد (لاہور، خلیقات، 2000ء)، 5-6۔

29. Hiuen Sang, *Hiuen Sang ka Safer Nama Hind*, Mutrajam: Yasar Jawad (Lahore, Khaliqat, 2001), 103.

ہیون سانگ، ہیون سانگ کا سفر نامہ ہند، مترجم: یاسر جواد (لاہور، خلیقات، 2001ء)، 103۔

30. Ibid, 123.

ایضاً، 123۔

31. Fahyan, *Fahyan ka Safer Nama Hind*, 27.

فاہیان، فاہیان کا سفر نامہ ہند، 27۔

32. Hiuen Sang, *Hiuen Sang ka Safer Nama Hind*, 103.

ہیون سانگ، ہیون سانگ کا سفر نامہ ہند، 104۔

33. Ibid, 123.

ایضاً، 123۔

34. Fahyan, *Fahyan ka Safer Nama Hind*, 77.

فاہیان، فاہیان کا سفر نامہ ہند، 77۔

غربت کا خاتمہ ''الٰہی اقتصادیات'' کے نظریہ کی روشنی میں

Poverty Eradication in Perspective of Divine Economics

Open Access Journal
Qtly. Noor-e-Marfat
eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nooremarfat.com
Note: All Copy Rights are Preserved.

Syed Saqib Hamdani
Ph.D. Scholar, MIU, Qum, (Iran).
Email: saqib1413@gmail.com

Dr. Syed Nisar Hussain Hamdani
Divine Economics; University of Azad Jammu & Kashmir.
Email: nisarhamdani@gmail.com

Abstract:
In modern times, where the pace of development has taken people by surprise, people are seen ending their lives because of poverty and poverty. The number of economists available to the world today is unprecedented in history, yet this problem is not being solved. How many efforts are made to eradicate poverty in different economic systems of the world. It is surprising how much it is growing.

Recently, a modern theory of economics known as Divine Economics has been developing. In the light of the theory of divine economy, man is a mixture of two things i.e. body and soul, poverty affects both of them. So, in order to avoid poverty, Divine Economics has ordered moderation and business. It suggests the governments to fulfill their responsibilities and protect the rights of the poor, support their spiritual as well as material needs. It has also been emphasizing and instructing from the production and acquisition of wealth to its proper distribution and expenditure in the society.

In this system of economics, systems such as *Zakat, Sadaqat*, Charity and *Anfaq* have been formulated for the elimination of material poverty and to eliminate spiritual poverty, it describes worship, recognition of self and human values. In this research, the two aspects of poverty, the verses and the evidences within the traditions and other evidences related to them, are to provide solutions for the eradication of poverty while living in the ideas of divine economics through library-style research.

Key words: Poverty, Material poverty, Spiritual poverty, Divine Economics

خلاصہ

عصر حاضر میں جہاں ترقی کی رفتار نے انسان کو حیرت میں ڈال رکھا ہے وہاں پر انسان غربت اور افلاس سے تنگ آکر اپنی زندگیوں کا خاتمہ کرتے ہوئے دیکھائی دیتا ہے۔ دنیا کو جتنے معاشی ماہرین آج میسر ہیں اُس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی اس کے باوجود یہ مسئلہ حل نہیں ہو رہا ہے۔ دنیا کے مختلف نظام ہائے معیشت میں غربت کو ختم کرنے کی جس قدر کوششیں کی جاتی ہیں۔ حیرت ہے اس قدر یہ بڑھ رہی ہے۔ حال ہی میں علم اقتصاد کا ایک جدید نظریہ کا فروغ ہو رہا ہے جیسے الٰہی اقتصادیات (Divine Economics) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ الٰہی اقتصادیات کے نظریہ کی روشنی میں انسان دو چیزوں یعنی جسم اور روح کا مرکب ہے غربت کا اثر ان دونوں پر پڑتا ہے۔
غربت سے بچنے کے لئے اقتصادیات الٰہی (Divine Economics) نے میانہ روی، راہ اعتدال اور کسب و کار اور حکومت کو اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور غریبوں کے حقوق کی پاسداری، روحانی کے ساتھ ساتھ ان کی مادّی ضروریات کی کفالت پر بھی زور دیتا رہا ہے اور دولت کی پیداوار اور حصول سے لے کر معاشرے میں موزوں تقسیم اور خرچ تک کی ہدایات کرتا ہے۔ اس نظام معاشیات میں مادی غربت کے خاتمے کے لئے زکوۃ، صدقات، خیرات اور انفاق جیسا نظام کو وضع کیا ہے اور غربت روحی کو ختم کرنے کے لئے عبادات، نفس کی پہچان اور انسانی اقدار کو بیان کرتا ہے۔ اس تحقیق میں غربت کے دونوں پہلوؤں کا آیات اور روایات کے اندر موجود قرائن اور ان کے علاوہ اس سے متعلق دوسرے آثار و شواہد، کو کتابخانہ طرز تحقیق کے ذریعہ اقتصادیات الٰہی کے نظریات میں رہتے ہوئے غربت کے خاتمے کا راہ حل فراہم کرنا ہے۔

کلیدی الفاظ: غربت، مادّی غربت، روحی غربت، اقتصادیات الٰہی۔

مقدمہ

دنیا کا ہر انسان ایسی زندگی گزارنے کا انتخاب کرتا ہے۔ جس میں اقتصادی مشکلات کم سے کم ہوں بہت سارے انسان اس کوشش میں کامیاب رہتے ہیں اور بعض اس میں کامیاب نہیں ہو سکتے اور ایک ایسے مرحلہ تک پہنچ جاتے ہیں جہاں ان کو زندگی گزرانے کی بنیادی ضروریات بھی نہیں مل پاتی اور وہ معاشی طور پر اتنا کمزور ہو جاتے ہیں کہ اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی زندگی کا خاتمہ کر دیتے ہیں، یا کہیں کوئی مجبور باپ اپنی ہی اولاد کو اپنے ہاتھوں مار دیتا ہے۔ حدیث میں بیان ہوا ہے: الفقر الموت الاکبر معاشی تنگدستی بہت بڑی موت ہے۔[1] اس موت اکبر کا حل اس میں ہے کہ عصری اقتصادیات کے ساتھ ساتھ الٰہی اقتصادیات میں لوگوں کی معاشی حالت بہتر بنانے کے لئے جو اصول بیان کئے گئے ہیں ان کو جدید علم اقتصاد میں نمایاں حیثیت دینا ہوگی۔ جو دستورات بیان ہوئے ہیں ان کو سامنے رکھ کر اس مسئلہ کو حل کرنے کے دو فائدے ہوں گے ایک یہ کہ غربت و فقر کو ختم کرنے میں مدد ملے گی اور دوسرا فائدہ علم اقتصاد میں ایک نئے باب کا اضافہ ہو گا اور وہ اقتصادیات الٰہی (Divine Economics) کا باب ہوگا۔

الٰہی اقتصادیات(Divine Economics) کیا ہے؟

الٰہی اقتصادیات سے مراد علم معاشیات کا وہ نظریہ جس میں انسان کو اس کے مادّی اور روحی دونوں طرح سے تسلیم کیا جاتا ہے اس طرح مادّی وجود کے حوالے سے اس کی ضروریات کو مدّ نظر رکھتے ہوئے اس پر بحث کی جاتی ہے جیسے قیمتیں، افراط زر، اجرائتیں اور آمدنی۔ روحی وجود کو بھی چونکہ الٰہی اقتصادیات میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے لہٰذا اس کی ضرویات اور معیارات کو بھی زیر بحث لایا جاتا ہے۔ روحی معیارات مختلف قسم کی اقدار اور شکل میں معاشرے کے اندار رائج ہوتے ہیں اور لوگ ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس کی ضرورت کو احساس بھی کرتے ہیں۔ گویا مادّی اور روحی دونوں طرح کی ضروریات، مشکلات اور ان کے حل کی بحث کرنے والے علم کو الٰہی نظریہ اقتصادیات (Divine Economics) کہا جاتا ہے جسے 1999 میں باقاعدہ علمی نظریہ کے طور پر قائدِ اعظم یونیورسٹی پاکستان میں پیش کیا گیا۔[2] بعد ازاں اسے ہارورڈ یونیورسٹی، لندن سکول آف اکنامکس، آزاد کشمیر یونیورسٹی اور ہائر ایجوکیشن کمشن پاکستان کی معاونت سے فروغ حاصل ہوا۔[3]

عصری اور الٰہی نظریات میں غربت کیا ہے؟

"غربت" کئی معنی میں استعمال ہوتا ہے اس کا لغوی معنی "اَفلاس مُحتاجی، کَسمپُرسی، مفلسی، مصیبت، پریشانی" ہے۔[4] اور اس کے معنی کو مزید سمجھنے کے لئے غُربَت کے مترادفات سے بھی مدد ملتی ہے، جیسا

کے، "تنگی، عاجزی، محتاجی، افلاس"۔[5] عربی میں غربت کے معنی "وطن سے دوری، سفر، پردیس، مسافرت۔ بے کسی کے ہیں۔ انگریزی میں غربت کے لئے Poverty یا Pauperism کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کا معنی کسی شخص کے پاس زندگی کی بنیادی ضروریات کا نہ ہونا۔[6]

عصری ماہرین اقتصاد اور ادارے غربت کی تعریف یوں کرتے ہیں: انسان کا بنیادی ضروریات کے شدید فقدان کی وجہ سے ایسی حالت میں آجانا کہ اس کے پاس غذا، صاف پانی، صحت کی سہولیات، رہائش اور تعلیم کا میسر نہ ہونا غربت اور افلاس کہلاتا ہے۔[7] ورلڈ بنک نے غربت کی جانچ کا جو پیمانہ مقرّر کیا ہے، اس کے مطابق ہر وہ شخص جس کی یومیہ آمدنی 2 امریکی ڈالر سے کم ہے، غریب تصوّر کیا جاتا ہے۔ دو ڈالر یومیہ آمدنی کا بنچ مارک خطِ غربت کہلاتا ہے۔[8] بزنس ڈکشنری کے مطابق غربت اس حالت کو کہتے ہیں جس میں لوگوں کو خوراک، رہائش اور لباس کی بنیادی ضروریات کی عدم دستیابی ہو۔[9]

قرآن اور حدیث میں غربت کے لئے جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ فقر اور اس کی جمع فقراء ہے جیسے يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللهِ وَاللهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ۔(15:35) لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ (8:59) غریب مہاجرین کے لئے (بھی) ہے جو اپنے گھروں اور جائیدادوں سے باہر نکال دیئے گئے ہیں اور دوسرے مقام پر فرمایا: لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ۔(یہ صدقات) ان غریبوں کے لئے ہیں جو اللہ کے راستے میں روکے گئے ہیں، زمین میں سفر نہیں کر سکتے۔ (273:2) ان آیات میں فقر کے معنی وطن سے دوری، تنگدست اور نیاز مند کے آئے ہیں۔

الٰہی اقتصادیات میں غربت کا مطلب ہر وہ ضرورت جو انسان کے جسم اور روح کی بقا اور فلاح کے لئے میسر نہ ہو یا اس کو حاصل نہ کر سکے وہ شخص، معاشرہ غربت زدہ اور فقر اور مفلسی سے دوچار کہلائے گا۔

عصری اقتصاد اور الٰہی اقتصادیات کے مطابق غربت کی تعریف میں کافی حد تک اشتراک پایا جاتا ہے لیکن عصری اقتصاد میں صرف انسان کی مادّی ضروریات کو سامنے رکھ کر تعریف کی جاتی ہے اور پھر اسی اعتبار سے اس کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ جبکہ الٰہی اقتصادیات میں انسان کی مادّی ضروریات کے ساتھ ساتھ اس کی روحانی ضروریات کو بھی بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ جو عصری علم اقتصاد میں شامل نہیں ہے۔

جیسے کے اوپر بیان کیا گیا انسان دو چیزوں جسم اور روح کا مرکب ہے اسی طرح غربت کو بھی دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے مادّی غربت اور روحانی غربت۔ انسان ایک جسمانی مخلوق ہونے کے ناطے جسمانی ضرورتوں کا حامل ہے۔ وہ زمین پر کسی خاص محدودیت کے ساتھ زندگی گزارتا ہے اس لئے انسان سب سے پہلے مادّی ضرورتوں

سے روبرو ہوتا ہے۔ مادّی ضرورتیں وہ ضرورتیں ہیں جو اگر پوری نہ ہو تو انسانی جسم کا وجود خطرے میں پڑ سکتا ہے جیسے مناسب غذا، مناسب کپڑا اور مناسب مکان حضرت رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: اولاد آدم کے لئے اس سے بہتر حق کوئی نہیں ہو سکتا کہ اس کے پاس رہنے کے لئے ایک مکان ہو اور کچھ کپڑا جس سے وہ اپنی ستر کو چھپا سکے اور کچھ روٹی اور کچھ پانی۔[10] اس حدیث کے مطابق رسول خدا ﷺ نے انسان کی چار بنیادیں ضروریات کا ذکر کیا ہیں جو ان کو ملنی چاہیے، پہلا مکان، دوسرا کپڑا، تیسرا روٹی اور چوتھا پانی، یہ اشیاء انسان کے جسم کی بقاء کی ضامن ہوتی ہیں، اگر یہ میسر نہ ہو یا ان میں کمی واقع ہو جائے تو انسان جسمانی طور پر ناتوان ہو جاتا ہے اور موت کی وادی تک جا پہنچتا ہے۔ اسلامی نقطہ نظر کے مطابق مال و دولت ہدف نہیں بلکہ ہدف تک پہنچنے کے لئے ایک وسیلہ ہیں کیونکہ اسلام انسان کی دنیوی زندگی کے ساتھ ساتھ اس کی اخروی زندگی کو بھی غربت، فقر اور مفلسی سے پاک دیکھنا چاہتا ہے اور اس کو ایک ایسا کامیاب اقتصادیات کا پروگرام دیتا ہے جس پر عمل کرکے انسان غربت و فقر سے نجات پالیتا ہے۔[11]

پانی انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے اہم ضرورت ہے، اور اس کی اہمیت کا اندازہ قرآن کریم کی اس آیہ سے لگایا جاسکتا ہے۔ وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ۔(30:21) اور ہر جاندار کو پانی سے قرار دیا ہے۔ پانی بہت بڑی نعمت ہے، بد قسمتی ہے کہ ہم اس انمول نعمت کی قدر نہیں کر رہے اس عظیم نعمت کا نہ ہونا یا انسانی صحت کے اصولوں کے مطابق میسر نہ ہونا بھی غربت ہے۔ حدیث میں ہے: اِعْلَمْ يَا مُفَضَّلُ أَنَّ رَأْسَ مَعَاشِ الْإِنْسَانِ وَ حَيَاتِهِ الْخُبْزُ[12] ۔اے مفضل جان لو کہ! انسان کی زندگی کا اساسی سرمایہ روٹی اور پانی ہے۔ مکان اور رہنے کی جگہ بھی انسانی کی بنیادی ضرورتوں میں سے ایک ہے۔ ایک معاشرہ میں تمام افراد کے لئے مکان کا ہونا ضروری ہے کیونکہ مکان انسان کے آرام اور سکون کے لئے ضروری ہے اگر یہ حاصل نہ تو انسان زندگی کو آگے نہیں بڑھا سکتا اور وہ غربت میں مبتلا ہو جائے گا جب کسی کے پاس سر چھپانے کی جائے پناہ نا ہو تو یہ شخص مختلف جسمانی اور نفسیاتی بیماریوں اور منشیات میں گھر جائے گا۔

انسان کا وجود مادّی اور روحی کا مرکب ہے۔ اور یہ دونوں غربت کا شکار ہو جاتے ہیں جب ان کی ضروریات کو کسی بھی وجہ سے حاصل نہ کیا جاسکے۔ وجود مادّی جسم اور جان پر مشتمل ہے جبکہ وجود روحانی ایک مستقل شخصیت ہے۔ روح کا ایک اپنا مستقل وجود ہے، روح کی بھی آنکھیں ہیں، کان ہیں، عقل ہے، جسم کی ان تینوں چیزیں کا تعلق دماغ سے ہے جبکہ روح کی ان تینوں چیزوں کا تعلق دل سے ہے۔ قرآن مجید کی سورۃ حج میں ارشاد ہے۔ کیا یہ لوگ زمین میں سیر نہیں کرتے، پھر ان کے دل ہوتے جن سے وہ عقل لیتے یا کان جن سے وہ سنتے،

اندھی یہ آنکھیں نہیں ہوتیں بلکہ دل کی آنکھ اندھی ہو جاتی ہے۔ انسان ہونے کے ناطے جو چیز ہمیں دی گئی ہے، وہ روح ہے، روح کو نفس، دل، جان بھی کہا جاتا ہے۔[13] تخلیق آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک ہر انسان جب اس دنیا میں آتا ہے تو اس کا کل سرمایہ صرف ایک مادّی وجود نہیں ہوتا، بلکہ وہ خدا کی طرف سے پھونکی گئی ایک اور شے بھی لے کر اس دنیا میں آتا ہے۔ اس پھونک (روح) کی حقیقت کو تو ہم متعین نہیں کر سکتے، البتہ یہ بات ہم جانتے ہیں کہ اس پھونک کے باعث انسان اپنے اندر ایک روحانی شعور اور شخصیت محسوس کرتا ہے جس کا ادراک مادّی جسم رکھنے والا کوئی دوسرا جانور نہیں کر سکتا۔

مادّی اور روحانی وجود، دونوں مل کر انسان کی بنیادی شخصیت کی صورت گری کرتے ہیں۔ اور دونوں حصوں کو غذا کی ضرورت ہوتی ہے نبی خداﷺ دعا کیا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ الْهُدَى وَالتُّقَى وَالعَفَافَ وَالغِنَى [14] یعنی: "یا اللہ! میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ، عفت اور تونگری کا سوال کرتا ہوں۔" اس حدیث میں غور کریں پہلے روح کی غذا جو کہ ہدایت، تقویٰ، عفت ہے کی دعا کی پھر مالدار ہونے کی۔ محمد بن علی فرماتے ہیں: لَا فَقْرَ كَفَقْرِ الْقَلْبِ وَ لَا غِنَى كَغِنَى النَّفْس[15]۔ روحی فقر سے بڑھ کر کوئی فقر نہیں اور نفس کی پہچان سے بڑھ کر کوئی ثروت نہیں۔ ایک اور مقام پر روحی غربت کو اصلی غربت کہا گیا ہے جیسے حضرت جعفر بن محمد علیہ السلام سے پوچھا گیا۔ الْفَقْرُ مِنَ الدِّينَارِ وَ الدِّرْهَمِ فَقَالَ لَا وَ لَكِنْ مِنَ الدِّينِ۔[16] غربت اور فقر درہم اور دینار کا نہ ہونا ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا نہیں بلکہ دین کا نہ ہونا غربت اور فقر ہے۔

غربت اور افلاس ایک بڑی مصیبت ہے اس کا صحیح اندازہ وہی لگا سکتا ہے جو اس پریشانی میں شب و روز گزار رہا ہوتا ہے۔ غربت چاہیے مادّی ہو یا روحانی اس کے کچھ نہ کچھ اسباب ضرور ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض وجوہات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جب ایک معاشرے میں علم و ہنر کی کمی ہو تو وہ معاشرہ کبھی ترقی نہیں کر سکتا۔ جب کسی فرد کو یہ ہی نہ معلوم ہو کہ اس نے اپنی زمین میں کیا اور کیسے بونا ہے تو وہ کیا کاٹے گا۔ نبی کریمﷺ ہر چیز علم رکھنے کا باوجود دعا فرماتے ہیں: رَّبِّ زِدْنِىْ عِلْمًا (114:20) ترجمہ: "پروردگار میرا علم بڑھا۔" جناب رسول خداﷺ نے فرمایا ہے: اطلبوا العلم ولو بالصين[17]، کہ علم حاصل کرنے کے لئے چین بھی جانا پڑے تو جاؤ۔ تعلیم اور ہنر کی کمی کی وجہ سے معاشرہ میں بہت سے مسائل جنم لیتے ہیں جن میں سے ایک غربت ہے۔ علم کی کمی روحانی غربت اور ہنر کا نہ ہونا مادّی غربت کا سبب ہوتا ہے۔

بیماری، جسم اور روح دونوں کو بے بس کر دیتی ہے اگر کوئی بیمار ہو جائے اور اس کے پاس اتنی مالی استعداد نا ہو کہ وہ دوا حاصل کر سکے تو یہ شخص یا خاندان غریب ہے اور ایک مالدار شخص علم رکھتے ہوئے بھی اس غریب

مریض کی مدد نہ کرے تو یہ امیر آدمی روحانی غربت میں مبتلا ہے۔ بہرحال مادّی اور روحانی صحت کا نہ ہونا بھی انسان کو غربت میں دھکیل دیتا ہے۔ وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم کی وجہ سے دنیا میں امیر غریب کے درمیان خلیج بڑھتی جارہی ہے اسی وجہ سے امیر دن بدن امیر تر اور غریب انسان غریب تر ہوتا جارہا ہے۔ جب ضرورت مند انسان کو اس کی ضرورت میسر نہ ہو تو اس بات کا اندیشہ بڑھ جاتا ہے کہ وہ فساد کی لپیٹ میں آجائے۔ بقول آصف جاوید، غربت اور افلاس میں اضافہ کا موجب آبادی نہیں، بلکہ وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم ہے۔

تاریخ انسانی کے کسی بھی دور میں یا اس وقت روئے زمین پر اگر کوئی آدمی رزق اور بنیادی ضروریات سے محروم ہے تو اس کا مطلب ہے۔ وافر مقدار میں خداداد وسائل معیشت رزق کی تقسیم کے نظام میں انصاف نہیں ہو رہا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: اور اگر تم ان (فریقین) کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ (42:5) اور انصاف نہ کرنے والا یا اس میں کوتاہی کا مرتکب معنوی غربت کا شکار ہے۔ غربت اور تنگدستی کا ایک سبب عزیز و اقرباء اور رشتہ داروں کے ساتھ قطع تعلّق کرنا ہے حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: قطيعةُ الرّحم تورِثُ الفَقرَ[18]؛ قطع رحمی کرنا فقر و تنگدستی کا سبب ہے۔

انسان اپنے جسم کی نشو و نما اور خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے مختلف امور سرانجام دیتا ہے جیسا کہ جسم کو طاقت اور رکھنے کے لئے غذا اور موسموں کے اثرات سے اپنے آپ کو محفوظ کرنے کے لئے لباس کا ستعمال کرتا ہے۔ انسان کو اپنے کھانے، پینے، رہائش اور لباس کا معیار اپنی استطاعت کے مطابق رکھنا چاہیے۔ اس میں بے جا اسراف اور فضول خرچی نہ ہو۔ اسلامی نقطہ نظر میں ان سب میں اعتدال کا ہونا ضروری ہے۔ حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں إِنَّ اَلسَّرَفَ يُورِثُ اَلْفَقْرَ وَ إِنَّ اَلْقَصْدَ يُورِثُ اَلْغِنَى۔ فضول خرچی سے تنگدستی میں اضافہ ہوتا ہے اور میانہ روی سے بے نیازی میں اضافہ ہوتا ہے۔[19]

اپنے فرائض سے غفلت معاشرے کو تلخ بنا دیتی ہے۔ خصوصا جب امیر لوگ اپنی ذمہ داری کو فراموش کرنا شروع ہو جاتے ہیں اور ان کے اس عمل کی وجہ سے غربت میں کمی واقع نہیں ہو پاتی۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اسی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اہل ثروت پر ان کے مالوں میں اپنے معاشرے کے فقراء و مساکین کی معاشی حاجات کو بدرجہ کفایت پورا کرنا فرض قرار دیا ہے۔ چنانچہ یہ فقیر لوگ اگر بھوکے ننگے یا معاشی تنگی میں مبتلا ہوتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل ثروت نے ان کے حق یا ان کے حصے کے وسائل رزق کو روک لیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ یہ امر لازم ٹھہرا رکھا ہے کہ بروز قیامت وہ ان اہل ثروت کا محاسبہ فرمائے گا اور فقراء کی اس حق تلفی پر انہیں عذاب دے گا۔[20]

ایک اور مقام پر فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ فَرَضَ فِي أَمْوَالِ الأَغْنِيَاءِ أَقْوَاتَ الْفُقَرَاءِ فَمَا جَاعَ فَقِيرٌ إِلَّا بِمَا مَنَعَ بِهِ غَنِيٌّ وَ اللّٰهُ تَعَالَى جَدُّهُ سَائِلُهُمْ عَنْ ذَلِكَ۔[21] ترجمہ: "یقیناً اللہ تبارک و تعالیٰ نے مالداروں کے اموال میں سے غریبوں کا رزق فرض کیا ہے، لہٰذا کوئی فقیر بھوکا نہیں ہوتا مگر مالدار کے طمع کی بنا پر، اور اللہ تعالیٰ ان ثروت مندوں سے اس بارے میں ضرور پوچھے گا۔ فرمایا: فَذٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ، (2:107) یہ وہی (بدبخت) ہے، جو یتیم کو دھکے دیتا ہے، وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِينِ (107: 3) اور فقیر کو کھانا کھلانے کے لئے (لوگوں کو) ترغیب نہیں دیتا تھا۔

آج انسان کی خواہشات اور ہوس اتنی بڑھ چکی ہے کہ وہ چاہے ایک سیر بھی نہ کھا سکے مگر اپنے پاس ایک من دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ آنکھوں کی ہوس کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔ اس ہوس کو حدیث نبوی ﷺ کے مطابق قبر کی مٹی ہی پورا کرے گی۔ جب خواہشات بڑھتی ہیں تو انسان اس چیز کے حصول کے لئے یہ نہیں دیکھتا کہ اس پر کسی اور کا حق ہے اور جب حقدار کو اس کا حق نہ ملے تو وہ مادّی اور معنوی دونوں طرح سے مفلسی کا شکار ہو جاتا ہے۔

غربت اور تنگدستی نہ صرف انسان کے جسم بلکہ اس کی روح پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ اگر معاشرہ میں غربت اور فقر غالب آجائے تو اس سے انسان کی انفرادی زندگی بلکہ اجتماعی زندگی میں بھی خلل پیدا ہو جاتا ہے۔ انسانوں کی زندگی میں مفلسی اور تنگدستی کا تسلسل بہت سے انحرافات اور فردی و اجتماعی مفاسد و مشکلات کا سرچشمہ ہے۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ غربت دماغی نشوونما پر اور ناکافی غذا، آلودگی اور رہائش کی نامناسب سہولیات دماغ کے طبعی اور نفسیاتی پہلوؤں پر منفی اثر انداز ہوتی ہیں۔[22]

مفلسی اور ناداری پہلے انسان کے اندر ناامیدی اور پھر سستی لے کر آتی ہے جس کی وجہ سے انسان کام و کاج سے اور عبادات سے دور ہو جاتا ہے۔ وان افتقر قنط ووهن اگر انسان مفلس اور تنگدست ہو جائے تو مایوس اور سست ہو جاتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ انسان کے اعتقادات بھی کمزور ہو جاتے ہیں قَالَ رَسُولُ اَللّٰهِ صَلَّى اَللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ: كَادَ اَلْفَقْرُ أَنْ يَكُونَ كُفْراً ۔[23] کبھی مفلسی و تنگدستی کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ غربت کے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں، ایسے ہی غربت کا شمار ان بڑے اسباب میں ہوتا ہے جن سے شرافت ختم اور بے حیائی، چوری، رشوت، لوگوں کا مال ہڑپ کرنا عام ہوتا ہے، جبکہ جرائم کی شرح اور گھریلو لڑائی جھگڑوں میں اضافہ ہو جاتا ہے، بلکہ بسا اوقات قتل تک بھی نوبت پہنچ جاتی ہے۔

سوال ہو سکتا ہے کہ بہت سارے لوگ اوپر بیان کئے گئے غربت کے اسباب اور اثرات میں مبتلا ہوتے ہیں جیسے، ناانصافی، اسراف اور فضول خرچی، قطع رحمی، اپنے فرائض سے غفلت، سستی اور رشوت کا لینا اس کے باوجود بہت

سارے انسان بے انتہاء مالدار اور دولت مند ہوتے ہیں ایسا کیوں ہے؟ اس سوال کے جواب میں کہیں گے کہ ایسے افراد غربت کی دوسری قسم (غربت روحی) میں مبتلا ہوتے ہیں کہ جہاں مادّی ضروریات کی کوئی کمی نہیں ہوتی لیکن حسد، تکبر، بے رحمی، سرکشی اور اخلاقی فسادات کا شمار کرنا مشکل ہوتا ہے۔

غربت چاہیے مادّی ہو یا روحانی یہ صرف ایک مسئلہ ہی نہیں بلکہ اپنے ساتھ بہت سارے مسائل کو بھی جنم دیتی ہے۔ اس کا خاتمہ اور علاج اتنا ہی ضروری جتنا کسی موذی مرض کا۔ عوام کے مال جان اور ان کی ضروریات کی ذمہ داری حکومت وقت پر ہوتی ہے حکمران جتنے مخلص اور عوام دوست ہوں گے۔ عوام کے مسائل اور مشکلات اتنی کم ہوں گی۔ غربت کے خاتمے ایک اچھی حکومت کے قیام کے بغیر ترقی کی سمت میں سفر کا آغاز ممکن نہیں۔ اچھی حکومت کے قیام کے کئی عناصر ہوتے ہیں۔ اس میں سب سے اہم اور بنیادی عنصر عوام کی بنیادی ضرویات تعلیم، صحت، روٹی، کپڑا اور مکان وغیرہ شامل ہیں۔ کو پورا کرنا اور اس کا تسلسل ہوتا ہے۔

یا ایک اور حدیث میں بیان ہوا ہے السلطان ولي من لا ولي له۔[24] حکمران (یا حکومت) ہر اس آدمی کا سرپرست اور ذمہ دار ہے جس کا کوئی سرپرست نہ ہو۔ نیز فرمایا: إِنَّمَا يُوتَى خَرَابُ الارْضِ مِنْ إِعْوَازِ أَهْلِهَا وَ إِنَّمَا يُعْوِزُ أَهْلُهَا لاشْرَافِ أَنْفُسِ الْوُلاةِ عَلَى الْجَمْعِ وَ سُوءِ ظَنِّهِمْ بِالْبَقَاءِ وَ قِلَّةِ انْتِفَاعِهِمْ بِالْعِبَرِ۔[25] عوام کے لئے بنیادیں ضروریات (Basic Needs) زندگی کی فراہمی حکومت کی ذمہ داری ہے مثلًا روٹی، کپڑا، مکان، پانی وغیرہ۔ آپ نے مزید فرمایا کہ: حکومت اس شخص کی نگہبان ہے جس کا کوئی نگہبان نہیں۔[26]

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: اللہ نے دولت مندوں (بشمول حکومت) پر یہ فرض کیا ہے کہ وہ غریبوں کی بنیادی ضروریات کو مہیا کریں۔ اگر یہ بھوکے یا برہنہ یا کسی دوسری معاشی تنگ دستی میں مبتلا ہیں تو یہ صرف اس لیے کہ دولت مند (بشمول حکومت) اپنا فریضہ پورا نہیں کر رہا ہے۔ اس لیے قیامت کے دن اللہ ان سے اس بارے میں پوچھے گا اور اسی کے مطابق سزا دے گا۔[27]

عصر حاضر میں میڈیا دنیا کی ایک بڑی طاقت ہے جس نے معاشرہ کے افراد کو اپنے سحر میں اس انداز سے اپنا گرویدہ بنالیا ہے کہ اس کے بغیر انسان اپنے زندگی کو ادھورا سمجھ رہا ہے۔ اگر میڈیا لوگوں میں سنجیدگی کے ساتھ غربت کے مسئلہ کو پیش کرے اور اس کے اسباب و اثرات کو سامنے لائے تو یقیناً غربت اور تنگدستی کے خاتمہ اور اس میں پیش رفت اور اچھے نتائج کی امید کی جا سکتی ہے۔ میڈیا لوگوں کو ناامید نہ کرے۔ بلکہ یہ امید دلائے کہ مستقبل، روشن اور پُر امید ہے دنیا ایک ایسے عصر کی طرف بڑھ رہی ہے جہاں انسان کو وہ مقام ملنے والا ہے کہ جس کا وہ حق دار ہے۔ یہ وہ دور ہو گا جو مجازی نہیں بلکہ حقیقت پر مبنی ہو گا جہاں اقتصادیات مادّی اور معنوی اپنے عروج

پر ہوں گے۔ اور اس دور کی نشاندہی آیات اور روایات میں ہزاروں برس پہلے کی جاچکی ہے۔

الشَّيْطانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ يَأْمُرُكُم بِالْفَحْشاءِ وَ اللهُ يَعِدُكُم مَغْفِرَةً مِنْهُ وَ فَضلاً وَ اللهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌO ترجمہ: "شیطان تمہیں تنگدستی کا وعدہ دیتا ہے اور بے حیائی کا حکم کرتا ہے اور اللہ تمہیں اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ دیتا ہے اور اللہ بہت کشائش کرنے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔" (268:2) حضرت رسول ﷺ نے عدی بن حاتم سے فرمایا: وَلَئِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاةٌ لَتَرَيَنَّ الرَّجُلَ يُخْرِجُ مِلْءَ كَفِّهِ مِنْ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ يَطْلُبُ مَنْ يَقْبَلُهُ مِنْهُ ، فَلَا يَجِدُ أَحَدًا يَقْبَلُهُ مِنْه۔ ترجمہ: "اگر تمہاری زندگی نے تمہارے سے وفا کی تو تم ایک دن دیکھو گے انسان مٹھی بھر سونا اور چاندی لے کر اس کی تلاش میں نکلے گا کوئی اس سے یہ سونا و چاندی بطور صدقہ قبول کرلے لیکن وہ کسی ایک فرد کو بھی نہیں پائے گا جو اس کو لے۔[28]

اسلام ایک مکمل اور تا قیام قیامت باقی رہنے والا دین ہے، اس کے دستورات آفاقی اور ہمہ گیر ہیں، اس نے زندگی کے ہر شعبے کے لئے بہترین قانون مرتب کیا ہے تاکہ اس پر عمل پیرا ہو کر انسان دنیا و آخرت کی سعادتوں سے ہمکنار ہو سکے۔ قرآن کریم کی آیات اور حدیث کی طرف توجہ کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس انداز سے غرباء، مساکین اور ضرورت مند انسانوں کا خیال رکھنے اور ان سے غفلت برتنے کا انجام بیان کرتا ہے: فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ ترجمہ: "(کہ) وہ باغہائے بہشت میں (ہوں گے اور) پوچھتے ہوں گے۔" عَنِ الْمُجْرِمِينَ ترجمہ: "(یعنی آگ میں جلنے والے) گنہگاروں سے۔" مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ترجمہ: "کہ تم دوزخ میں کیوں پڑے؟۔" قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ترجمہ: "وہ جواب دیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔" وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ترجمہ: "اور نہ فقیروں کو کھانا کھلاتے تھے۔" (74: 40-44)

ایک اور مقام پر فرمایا: خُذُوهُ فَغُلُّوهُO ترجمہ: "(حکم ہو گا کہ) اسے پکڑ لو اور طوق پہنا دو۔" ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُO ترجمہ: "پھر دوزخ کی آگ میں جھونک دو۔" ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُO ترجمہ: "ہر زنجیر سے جس کی ناپ ستر گز ہے جکڑ دو۔" إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللهِ الْعَظِيمِO ترجمہ: "یہ نہ تو خدائے جل شانہ پر ایمان لاتا تھا۔" وَلَا يَحُضُّ عَلَى طَعَامِ الْمِسْكِينِO ترجمہ: " اور نہ فقیر کے کھانا کھلانے پر آمادہ کرتا تھا۔" (69: 30-34) فَذَلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَO ترجمہ: "یہ وہی (بدبخت) ہے، جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔" وَلَا يَحُضُّ عَلَى طَعَامِ الْمِسْكِينِO ترجمہ: "اور فقیر کو کھانا کھلانے کے لئے (لوگوں کو) ترغیب نہیں دیتا۔" (107: 2،3)

ان آیات میں پروردگار عالم نے مادّی اور معنوی دونوں کے بارے میں غفلت پر سخت سزا کا حکم فرمایا ہے ایک نماز

سے غفلت اور دوسرا نیاز مندوں کو کھانا نہ کھلانا نماز کی اسلام میں اہمیت کیا ہے اس بارے میں ہر مسلمان باخوبی آگاہ ہے۔ اسی طرح اسلام نے غریبوں اور مسکینوں کی مادّی ضرورت کو پر کرنے کی اہمیت کو بیان کیا ہے۔ بعض مفسرین نے ان آیات میں کھانا کھلانے سے مراد انسان کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنا بیان فرمایا ہے۔[29]

اس وقت دنیا کے چالیس فیصد انسانوں کو مناسب اور مطلوب خوراک نہیں ملتی اور وہ غربت کا شکار ہیں ان آیات روایات کی روشنی میں یہ بات بڑے وثوق سے کی جاتی ہے کہ اگر ان پر عمل کیا جائے تو غربت مادّی اور معنوی میں قابل توجہ کمی ہو جائے گی۔ انسان رزق کی تلاش میں تو رہتا ہے لیکن یہ نہیں سوچتا کہ یہ رزق دینے والا ہے کون۔ جب انسان اس طرف متوجہ ہو گیا تو رزق ملنے پر بھی شکر کرے گا اور نہ ملنے کی صورت میں بھی شکوہ نہیں کرے گا۔انسان کو ہر حال میں اس کے فضل و کرم کی سعی اور رزق کے حصول میں اپنی تلاش جاری رکھنا چاہیے: فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَO (10:62) ترجمہ: "پھر جب نماز ہو چکے تو اپنی اپنی راہ لو اور خدا کا فضل تلاش کرو اور خدا کو بہت بہت یاد کرتے رہو تاکہ نجات پاؤ۔"

اس آیہ شریفہ میں نماز کی ادائیگی کے فوراً بعد رزق کے حصول کی ترغیب دلائی گئی ہے۔اور اس بات کی طرف توجہ بھی مبذول کرائی گئی ہے کہ انسان مادّی اور معنوی دونوں طرف متوجہ ہو جسم کی تقویت کے ساتھ ساتھ روح کی تقویت بھی لازمی ہے جو ذکر خدا سے حاصل ہوتی ہے۔اکثر انسان دنیا کی مال و دولت کی خاطر اپنے رب کو فراموش کر دیتے ہیں ایک اور مقام پر خداوند متعال فرماتا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَO ترجمہ: "مومنو! تمہارا مال اور اولاد تم کو خدا کی یاد سے غافل نہ کردے۔ اور جو ایسا کرے گا تو وہ لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں۔(9:63) حضرت محمد ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: الكاسب حبيب الله؛ ہاتھ سے رزق کمانے والا اللہ کا دوست ہے۔

غربت و افلاس کے خاتمہ کا ایک اہم، اولین، بنیادی اور کلیدی ذریعہ یا عامل انسان کی ذاتی محنت بھی ہے جس کے بغیر بہت سے خام حالت میں خزائن الٰہی قابل منفعت نہیں بن سکتے۔ ہمارے معاشرے میں غربت و افلاس، تنگ حالی اور آمدنی و پیداوار میں کمی کا ایک سبب اس ذریعہ دولت (محنت) سے جی چرانا ہے۔ یہ محنت سے جی چرانا کچھ تو ذاتی سستی، کاہلی اور لاپرواہی کے باعث ہوتا ہے مگر زیادہ تر اس کا باعث ذریعہ معاش کے طور پر کوئی پیشہ اختیار کرنے اور ہاتھ سے کام کرنے کو حقیر و معیوب سمجھنا ہے۔

مقام غور ہے کہ اگر خالق کائنات نے انسان کے ساتھ ایک چھوٹا پیٹ لگایا ہے تو اس نے اس پیٹ کو بھرنے کے لئے دو ہاتھ، دو پاؤں، جسمانی قوت، سوجھ بوجھ اور دوسری مخلوق کے برعکس اسے عقلی و دماغی صلاحیتیں بھی عطا

فرمائی ہیں جنہیں کام میں لا کر زمین میں پھیلے ہوئے بے شمار رزق الٰہی کو بآسانی تلاش کیا جا سکتا ہے۔ غالباً اسی لئے ارشاد ہوا: هُوَالَّذِی جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ وَإِلَيْهِ النُّشُورُO ترجمہ: "وُہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو نرم و مسخر کر دیا، سو تم اس کے راستوں میں چلو پھرو، اور اُس کے (دیے ہوئے) رِزق میں سے کھاؤ، اور اُسی کی طرف (مرنے کے بعد) اُٹھ کر جانا ہے۔" (15:67) نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ہاتھ سے کما کر کھانے سے بہتر کوئی کھانا نہیں ہو سکتا اور (یہی وجہ ہے کہ) اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام (بادشاہ ہونے کے باوجود) ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔[30]

غربت کا خاتمہ، اور تلاشِ رزق کے لئے کوشش، اسباب و وسائل بروئے کار لانا، شرعی حکم کی پاسداری ہے، جو کہ ایک اچھی عادت بھی ہے، اسی لئے اللہ تعالی نے فرمایا: فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ وَإِلَيْهِ النُّشُورُO ترجمہ: "دنیا کے [معاشی] راستوں میں دوڑ دھوپ کرو، اور اللہ کے رزق میں سے کھاؤ، اسی کی طرف واپس جانا ہے۔" (15:67) باہمی ایثار و اخوت غربت کو ختم کرنے میں بڑی مدد و معاون ثابت ہو سکتی ہے۔ کسی بھی انسانی معاشرے میں لوگوں کے درمیان معاشی تفاوت کا پایا جانا یعنی بعض کا صاحبِ ثروت و دولت اور امیر و غنی ہونا بعض کا ضرورت مند اور غریب و مفلس ہونا ایک فطری امر ہے اور اس میں خالق کائنات کی حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں۔

مادّی وسائل کو انسانی خدمت میں وقف کر دینا اور یہ سمجھنا کہ الٰہی اقتصادیات کا اہم جز ہے۔ اور جو مادّی وسائل خدائے تعالیٰ سے غافل کرنے کا موجب ہوں وہ روحانیت کے حریف ہیں اور جن وسائل سے مخفی ہستی پیشِ نظر رہے وہ دین بھی ہے اور دنیا بھی۔ فرمانِ الٰہی ہے: وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًاO ترجمہ: "جو کچھ بھلائی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں موجود پاؤ گے، وہی زیادہ بہتر ہے اور اس کا اجر بہت بڑا ہے۔" (20:73)

الٰہی اقتصاد میں بار بار حلال، جائز اور طیب رزق کمانے کی ترغیب دلاتے ہوئے انہیں غربت و مفلسی سے بچانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: وَكُلُواْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّهُ حَلاَلاً طَيِّبًا وَاتَّقُواْ اللّهَ الَّذِيَ أَنتُم بِهِ مُؤْمِنُونَO ترجمہ: "اور جو حلال طیّب روزی خدا نے تم کو دی ہے اسے کھاؤ اور خدا سے ڈرتے رہو جس پر ایمان رکھتے ہو۔" (88:5) كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۖ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى (135:20) ترجمہ: کھاؤ جو ستھری چیزیں ہم نے تمہیں دی ہیں اور اس میں حد سے نہ گزرو کہ پھر تم پر میرا غضب نازل ہوگا، اور جس پر میرا غضب نازل ہوا سو وہ گڑھے میں جا گرا۔

قال رسولُ اللهﷺ: طَلَبُ الحلالِ فَرِيضَةٌ عَلَي كُلِّ مُسلِمٍ و مُسلِمةٍ» رزق حلال تلاش کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔[31] حدیث نبویﷺ ہے کہ: العبادة سبعون اجزاء افضلها طلب الحلال۔ عبادت کے ستر جزء ہیں ان میں سب سے بہتر حلال طریقوں سے رزق حاصل کرنے کی طلب ہے۔[32] مادّیت میں اگر حلال و حرام جائز و ناجائز طیب اور خبیث کی تمیز رہے تو مادّیت بھی روحانیت کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے۔

صاحب حیثیت حضرات کو دلنشین انداز میں ایثار و انفاق کی تلقین کی گئی۔ انہیں ذہنی و قلبی طور پر غرباء کی رضا کارانہ مالی امداد و تعاون پر ابھارا گیا۔ کیونکہ جب تک کسی معاشرے میں ذہنی و قلبی تبدیلی نہیں آجاتی اس وقت تک اس میں کوئی تبدیلی رونما اور انقلاب بپا کرنا آسان نہیں ہوت: وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِO ترجمہ: "اور ان کے مال میں مانگنے والوں اور نہ مانگنے والوں دونوں کا حق ہوتا ہے۔" (19:51) رسول اللہﷺ فرماتے ہیں: قول ابغوني الضعفاء فإنما ترزقون وتنصرون بضعفائكم ترجمہ: "میری رضا اپنے کمزور لوگوں کے ساتھ احسان کرکے حاصل کرنے کی کوشش کرو کیونکہ تمہیں اپنے کمزور اور ضعیف لوگوں کی وجہ سے (مال و دولت) رزق اور نصرت ملتی ہے۔"[33]

کچھ انسان اس وجہ سے بھی غربت کا شکار ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ کام ان کے معیار کے مطابق نہیں ہے لیکن جب ہم انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے وہ ایسے کام کاج کو اپنی زندگی بسر کرنے کے لئے اپنا لیتے تھے جنہیں بظاہر انسان اپنے شیان شان نہیں سمجھتا جبکہ انبیاء علیہم السلام انسانی معیار کے سب سے بڑے عہدہ پر فائز تھے اور کوئی انسان قیامت تک ان کی برابری نہیں کر سکتا۔ اور رزق کے حصول کے لئے کوشار ہنا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانا عقلمندی نہیں، انسان جتنی کوشش کرتا ہے اس کو مطابق ملتا ہے: وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىO ترجمہ: "اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔" (39:53)

غربت کے خاتمہ کے لئے ہر صاحب حیثیت انسان کو متلاشی رہنا چاہیے۔ جس کے پاس زمین ہے وہ زراعت کے ذریعہ، جس کو مال کی فروانی ہے وہ تجارت کے ساتھ اور جو دولت کی نعمت سے فیضیاب ہے وہ قرض الحسنہ دے کر غریب شخص کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے موقع دیں۔ نبی کریمﷺ نے ایک بے روزگار نوجوان صحابی کی وقتی طور پر مدد کرنے کی بجائے اس کا کمبل اور پیالہ بولی میں دو درہم کا فروخت کیا۔ ایک درہم سے اس کے اہل خانہ کے لئے کھانے پینے کا سامان اور دوسرے سے کلہاڑی خرید کر اور خود دست نبوت سے اس میں دستہ لگا کر اسے لکڑیاں کاٹنے اور بازار بیچنے کے کاروبار پر لگایا۔[34]

آپؐ نے بچپن میں مکہ مکرمہ کے مقام جیاد پر خود بکریاں چرا کر چرواہوں کو عزت بخشی اور بعد میں نہ صرف اس کا فخریہ اظہار فرمایا بلکہ ذہنی اصلاح کے لئے امت کو یہ بھی بتایا کہ بکریاں چرانا کوئی معیوب اور حقیر پیشہ نہیں بلکہ یہ وہ معزز پیشہ ہے جسے ہر نبی محتشم نے اختیار فرمایا۔ ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا: ”تم میں سے کسی ایک کا اپنی پیٹھ پر لکڑیوں کا گٹھا اٹھانا یعنی لکڑیاں بیچ کر کمانا اس بات سے کہیں بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرے پھر اسے کوئی دے یا نہ دے۔[35] آپؐ نے ایک مزدور صحابی کے ہاتھوں کو اپنے لب ہائے مبارک سے بوسہ دیا اور فرمایا: ”یہ وہ ہتھیلیاں ہیں جنہیں اللہ محبوب رکھتا ہے۔“[36]

قرآن کریم اور احادیث نے ہمیں یہ ترغیب بھی دی ہے کہ اگر کسی جگہ محنت کے باوجود روزگار کے حصول کے مناسب اور معقول مواقع نہ ہوں تو اللہ کی وسیع زمین میں کسی دوسری جگہ ہجرت کر جاؤ اللہ کریم تمہیں وہاں خوشحالی اور وسعت عطا فرمائیں گے۔ ارشاد فرمایا: وَمَن يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً o ترجمہ: ”اور جو کوئی اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑ کر نکلے وہ زمین میں (ہجرت کے لئے) بہت سی جگہیں اور (معاش کے لئے) کشائش پائے گا“۔(100:4)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:تَغَرَّب عَنِ الأَوطانِ في طَلَبِ العُلا وَسافِر فَفي الأَسفارِ خَمسُ فَوائِدِ تَفَرُّجُ هَمٍّ وَاكتِسابُ مَعيشَةٍ وَعِلمٌ وَآدابٌ وَصُحبَةُ ماجِدِا۔ ترجمہ: ”بلند مرتبہ حاصل کرنے کے لئے اپنے وطن سے دوری حاصل کرو اس سفر میں پانچ فوائد ہیں: غم دور ہوتا ہے، رزق و روزی حاصل ہوتی ہے، علم ملتا ہے، زندگی کے آداب حاصل ہوتے ہیں اور بزرگوں کی محفل و ہم نشینی ملتی ہے۔

کسی بھی فرد، قوم اور ملک کی ترقی و خوش حالی، میں ایک بڑا کردار محنت کش افراد کا ہوتا ہے ان کو غلام سمجھنے کے بجائے اگر محسن سمجھا جائے یعنی اس بات کو ذہن نشین کر لیا جائے کہ ہم جو غذا کھاتے ہیں اس میں ایک بڑا حصہ ان لوگوں کی محنت اور مشقت کی وجہ سے ہے لہٰذا ان کی ضروریات اور ان کے مسائل کا حل فوری نکالا جائے اور اجرت کو موقع پر ہی ادا کر دیا جائے تو غربت سے کافی حد تک چھٹکارا مل سکتا ہے۔ اس بات کو سمجھنا لازمی ہے کہ اگر زندگی کے کچھ حصہ میں انسان پر رزق تنگ ہو جائے تو فوراً مایوس و ناامید نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس طرف متوجہ رہے کہ ہو سکتا ہے یہ امتحان الٰہی ہو۔ رزق کا امتحان اقتصاد الٰہی کا اہم جز ہے اور یہ امتحان ممکن ہے رزق کی فراوانی سے ہو یا رزق کی تنگی کے ساتھ: فَأَمَّا الْإِنسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ o ترجمہ: ”مگر انسان (عجیب مخلوق ہے کہ) جب اس کا پروردگار اس کو آزماتا ہے تو اسے عزت دیتا اور نعمت بخشتا ہے۔ تو کہتا ہے کہ

(آہا) میرے پروردگار نے مجھے عزت بخشی۔ (15:89) نیز فرمایا: أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌO ترجمہ: "اور جان رکھو کہ تمہارا مال اور اولاد بڑی آزمائش ہے اور یہ کہ خدا کے پاس (نیکیوں کا) بڑا ثواب ہے۔ (28:8)

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ انسان تنگدستی اور مفلسی کو خدائی آزمائش کا ذریعہ سمجھے تو یہ عقیدہ اسے مفلسی اور تنگدستی کو آسانی کے ساتھ برداشت کرنے میں موثر واقع ہوگا اور اسے غربت کے خطرات اور برے اثرات سے محفوظ رکھے گا۔ یہ بات عدل و انصاف اور اسلام کے مزاج کے خلاف ہے کہ کچھ لوگ تو ضروری خورد و نوش، لباس، تعلیم، علاج معالجہ کی بنیادی ضروریات سے بھی محروم ہوں اور ساتھ ہی ایک طبقہ عیش و عشرت فضول خرچیوں سے ان غربت کے مارے لوگوں کے زخموں پر مزید نمک چھڑکے۔

ارشاد ربانی ہے: وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ O ترجمہ: "اور ان کے مال میں مانگنے والے اور نہ مانگنے والے (دونوں) کا حق ہوتا تھا۔" (19:51) غربت اور افلاس کے خاتمہ کا اہم ترین ستون زکوۃ، صداقات و خیرات ہے اس شرط کے ساتھ کے اس کی ادائیگی اور صحیح استعمال کیا جائے۔ قرآن مجید اور حدیث اس امر کو بجا لانے اور مستحق تک پہنچانے کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ اور ان کے ادا کرنے والوں کو دنیا اور آخرت میں کامیابی کی نوید دی گئی ہے اور جب یہ مال غریب اور مفلس تک پہنچتا ہے تو اس کی معاشی حالت بہتر ہو جاتی ہے یوں معاشرے میں غربت اور اس کے اثرات میں نمایاں کمی واقع ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌO ترجمہ: "صدقات (یعنی زکوۃ و خیرات) تو مفلسوں اور محتاجوں اور کارکنان صدقات کا حق ہے اور ان لوگوں کا جن کی تالیف قلوب منظور ہے اور غلاموں کے آزاد کرانے میں اور قرضداروں (کے قرض ادا کرنے میں) اور خدا کی راہ میں اور مسافروں (کی مدد) میں (بھی یہ مال خرچ کرنا چاہیئے یہ حقوق) خدا کی طرف سے مقرر کر دیئے گئے ہیں اور خدا جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔" (60:9)

ایک اور جگہ ارشاد فرماتا ہے: إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّن تَبُورَ ترجمہ: "جو لوگ خدا کی کتاب پڑھتے اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں وہ اس تجارت (کے فائدے) کے امیدوار ہیں جو کبھی تباہ نہیں ہو گی۔ (29:35)

اِنَّ اللّٰہَ قَدْ فَرَضَ عَلَیْھِمْ صَدَقَۃً فِیْ اَمْوَالِھِمْ تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِیَائِھِمْ وَتُرَدُّ اِلٰی فُقَرَآءِھِمْ۔[37] اللہ تعالیٰ نے ان کے مال میں زکوۃ واجب ٹھہرائی ہے جو سرمایہ داروں سے لے کر ان کے ناداروں اور فقراء میں تقسیم کی جائے۔

خلاصہ، نتیجہ اور سفارشات

گذشتہ صفحات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غربت کی ایک قسم نہیں بلکہ غربت کی دو قسمیں ہیں۔ مادّی غربت اور روحانی غربت اور دونوں کا تعلق انسان سے ہے۔ البتہ مادّی غربت کا شکار حیوانات بھی ہو سکتے ہیں لیکن روحانی غربت صرف انسان سے وابستہ ہے۔ الٰہی اقتصادیات (Divine Economics) ان دونوں غربتوں کے اسباب، اثرات اور اس کے خاتمہ کا راہ حل بیان کرتی ہے۔ اس مقالہ میں عصری اقتصادیات اور الٰہی اقتصادیات دونوں کے تناظر میں مسئلہ غربت کو دیکھا گیا ہے۔ اور اس نئے نظریہ سے فکر کی ایک نئ امید اور روشنی ملی ہے کہ انسان کی مادّی غربت اور افلاس کے دور کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی روحانی غربت کو بھی دور کیا جانا چاہیے۔

1- مضبوط معیشت سے مادّی غربت ختم کرنے میں مدد ملتی ہے اور قوی روح سے انسان کو ہر قسم کی غربت اور افلاس سے ناامید ہونے سے بچایا جاسکتا ہے۔

2- اقتصادیات الٰہی (Divine Economics) نے انسانی اعلیٰ اقدار کے فروغ کی طرف متوجہ کیا ہے جیسے، باہمی ایثار و اخوت، راہ اعتدال، کسب و کار، انصاف اور حکومتی ذمہ داریاں کی تکمیل وغیرہ۔ لہٰذا غربت کے خاتمہ کے لئے جو اصول الٰہی اقتصادیات نے بیان کئے ہیں انہیں معاشیات کی تعلیم و تدریس میں موزوں مقام دینا ہوگا۔

3- غربت اور افلاس کے اسباب اور اثرات اور ان کا راہ حل کا شعور لوگوں میں اجاگر کرنا مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

الٰہی اقتصادیات پر عمل درآمد انسان کو ایک ایسے مستقبل کی نوید سناتا ہے جس میں نہ تو کوئی شخص مادّی غربت سے تنگ آکر اپنی اولاد کو قتل کرے گا اور نہ ہی کوئی انسان روحانی غربت کی وجہ سے کسی پر ظلم، ناانصافی اور دوسری برائیوں کا مرتکب ہوگا بلکہ دنیا کے لوگ اپنے مذاہب اپنی ثقافتوں اور اعلیٰ اقدار پر عمل کے ذریعہ ایک عالمی آفاقی معاشرے کی تشکیل میں ایک دوسرے کے مددگار ہوں گے۔ **إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيداً وَنَراهُ قَرِيباً** ترجمہ: "(وہ اس زمانے کو دور اور جبکہ ہم اس کو قریب دیکھتے ہیں)"۔ البتہ ایسے آئیڈیل عالمی معشیت کے قیام کے لئے ماہرین اقتصاد کو ہر قسم کے تعصّبات سے بلند ہو کر اعلیٰ انسانی اقدار پر مبنی معاشی پالیسوں اور نظریات پر مشترکات کی بنیاد پر کام کرنا ہوگا۔

*****

References

1. Muhammad bin Hussain, Sharif al-Razi, *Nahj al-Balaghah* (Qum, Hijrat, 1414 AH), Hikmat: 154.

محمد بن حسین، شریف الرضی، *نہج البلاغہ* (قم، ہجرت، 1414ق)، حکمت:154۔

2. Hamdani, Sysed Nisar Hussain (1999), *Towards a Theory of Divine Economics*, PhD Seminar, Department of Economics, Quaid-i-Azam University Islamabad.

3 . http://www.divine-economics.org.

4. Maulvi, Noor-ul-Hasan Nair, *Noor-ul-Lughat*, (Lucknow, Isha'at-ul-Uloom Press, 1931).

مولوی، نورالحسن نیر، *نوراللّغات*، (لکھنو، اشاعۃالعلوم پریس، 1931)۔

5. Maulvi Ferozeuddin, *Jamia Feroze Al-Lughat Urdu* (Karachi, Feroze Sons (Pvt.) Ltd. 4th Edition, 2011).

مولوی فیروزالدین، *جامع فیروز اللغات اردو* (کراچی، فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، چوتھی اشاعت 2011)۔

6. Poverty Oxford English Dictionary/definition/

7. United Nations Definition of Poverty,1998.

8 ۔اقوام متحدہ کے اقتصادی اور سماجی کمیشن برائے ایشیاء اور بحرالکاہل (ESCAP)

9۔بزنس ڈکشنری۔

10. Abu Eesa Muhammad Ibn Eesa Ibn Sura, Al-Tirmizi, *Sunan Al-Tirmizi* (Egypt, Shirkah Maktaba wa Mutaaba Mustafa Al-Balbi Al-Halabi, 1395 SH), Chapter "Bab-Alzuhd", Hadith: # 38.

ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ، الترمذی، *سنن الترمذی* (مصر، شرکہ مکتبہ ومطعبہ مصطفی البابلی الحلبی، 1395ھ)، باب الزھد، حدیث نمبر: 38۔

11. Muhammad Mehdi, Asgari, Barsi Mahfom Faqer az Manzar Qur'an wa Rawiat, Nasheria: Mutaliyat Quran wa Hadith, Shuma (5), Tehran, (1388): 3, 4.

محمد مہدی، عسگری، بررسی مفہوم فقر از منظر قرآن و روایات، نشریہ: مطالعات قرآن و حدیث، شمارہ:5، تہران، سال:1388۔)،3و4۔

12. Mufazl bin Umar, *Tauheed al-Mafsaal*, Tarjma: Muhammad Baiqer Majlisi, Tehqiqi: Baqir Baid Hindi (Tehran, Wazarat Irshad, 1379 SH), 87.

مفضل بن عمر، توحید المفضل؛ترجمہ محمد باقر مجلسی، تحقیقی باقر بید ہندی، (تہران، وزارت ارشاد، 1379ش)، 87۔

13. Maulvi Ferozeuddin, *Jamia Feroze Al-Lughat Urdu*, 726.

مولوی فیروزالدین، جامع فیروز اللغات اردو، 726۔

14. Abul Qasim, Payandah, *Nahj al-Fasahat* (Majmoah Kalmaat Qisaar Hazrat Rasool (PBUH), Vol. 1 (Tehran, Duniya Danish, 2003), 253.

ابوالقاسم، پاینده، نہج الفصاحۃ (مجموعہ کلمات قصار حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ)، ج 1 (تہران، دنیای دانش، 2003)، 253۔

15. Muhammad Raza wa Hakimi, Hakimi, *Al-Hayat*, Tarjma: Ahmad Aram, Vol.3 (Tehran, Intasharat Dalil Ma, 1382 SH), 479.

محمدرضاو حکیمی، حکیمی، الحیاۃ، ترجمہ: احمد آرام، ج3 (تہران، انتشارات دلیل ما، 1382ش)، 479۔

16. Muhammad bin Yaqoob bin Ishaq, Kulini, *Al-Kafi*, Vol. 2 (Tehran, Kitab Foroshy Illimieh Islamiya, 1369 SH), 266.

محمد بن یعقوب بن اسحاق، کلینی، الکافی، ج2 (تہران، کتاب فروشی علمیہ اسلامیہ، 1369ش)، 266۔

17. Muahmad Baqir, Majlisi, *Bihar al-Anwar*, Vol. 1, Chaap. II (Beirut, Dar Ihya Al-Tarath al-Arabi, 1404 AH), 180.

مجلسی، محمد باقر، بحارالانوار، ج۱، چاپ دوم (بیروت، دارإحیاء التراث العربی، 1404ھق)، 180۔

18. Muhammad Baqir bin Muhammad Taqi, Majlisi, *Bihar al-Anwar*, Vol. 71 (Beirut, Dar Ihyaya al-Tarath al-Arab, 1403 AH), 91.

محمد باقر بن محمد تقی، مجلسی، بحارالانوار، ج71 (بیروت، دارإحیاء التراث العرب، 1403ق)، 91۔

19. Kulini, *Al-Kafi*, Vol. 4, 53.

کلینی، الکافی، ج4، 53۔

20. Ibn Hazam, al-Andalusi, Abu Muhammad Ali ibn Ahmad ibn Sa'id, *al-Mahli al-Ashar*, Vol.3 (Beirut, Dar al-Fiker, 1329 SH), 455.

ابن حزم، الاندلسی، ابو محمد علی بن احمد بن سعید، المحلی الاثار، ج3 (بیروت، دارالفکر، 1329)، 455۔

21. Ibn Abi al-Hadid, *Sharh Nahj al-Balaghah*, Vol. 19 (Qum, Darahiya al-Kitab al-Arabiyyah, 1387 SH), 240.

ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج 19 (قم، داراحیاء الکتب العربیۃ، 1387ھ)، 240۔

22. Dr. Muhammad Yusuf, Al-Qaradawi, *Miskhalat al-Faqr wa Keef al-Azaha fi al-Islam*, (Beirut, Al-Aqsa School, Dar al-Arabiyyah, 1386 SH), 30.

ڈاکٹر محمد یوسف، القرضاوی، *مشکلۃ الفقر وکیف عالجھا فی الاسلام*، (بیروت، مکتبہ الاقصی، دار العربیہ، 1386 ش)، 30۔

23. Kulini, *Al-Kafi*, Vol. 2, 307.

کلینی، *الکافی*، ج2، 307۔

24. Sajistani, Abu Dawood Sulaiman bin Ash'ath bin Ishaq, *Sunan Abu Dawood*, Baab Fi Al-Wali (Riyadh, Dar es Salaam, 1429 AH), Hadith: # 2085.

سجستانی، ابوداود سلیمان بن اشعث بن اسحاق ، *سنن ابو داؤد*، باب فی الولی (الریاض، دارالسلام، 1429ھ)،)، رقم الحدیث:2085۔

25. Sharif al-Razi, *Nahj al-Balaghah*, Hikmat: 53.

شریف الرضی، *نہج البلاغہ*، حکمت:53۔

26. al-Andalusi, *al-Mahli al-Ashar*, 456.

الاندلسی، *المحلی الاثار*، 456۔

27. Sajistani, *Sunan Abu Dawood*, , Hadith: # 68.

سجستانی، *سنن ابوداود*، ج3، 68۔

28. Abu Abdullah Muhammad bin Ismail, Bukhari, *Sahih al-Bukhari*, Kitab al-Manaqib (Riyadh, Dar al-Salaam, 1419 AH), Hadith: # 3350.

ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، بخاری، *صحیح البخاری*، کِتَاب الْمُنَاقِبِ (الریاض، دار السلام، 1419ھ)، رقم الحدیث:3350۔

29. Syed Muhammad Hussain, Tabatabai, *Al-Mizan fi Tafsir al-Qur'an*, Vol. 20 (Qum, Nasher Ismailian Dar Kitub al-Islamiya, 1402 AH), 180.

سید محمد حسین، طباطبائی، *المیزان فی تفسیر القرآن*، ج20 (قم، ناشر اسماعیلیان دار الکتب الاسلامیہ، 1402ق)، 180۔

30. Bukhari, *Sahih al-Bukhari*, Kitab al-Zakaat, Vol. 2, p536, Hadith: # 1205.

بخاری، *صحیح البخاری*، کتاب الزکوۃ، ج 2، صفحہ536، رقم الحدیث:1205۔

31. Majlisi, *Bihar al-Anwar*, Vol. 100, 9.

مجلسی، *بحار الانوار*، ج100، 9۔

32. Kulini, *Al-Kafi*, Vol. 5, 78.

کلینی، *الکافی*، ج5، 78۔

33. Al-Tirmizi, *Sunan Al-Tirmizi*, Hadith: # 1702.

الترمذی، سنن الترمذی، رقم الحدیث:1702۔

34. Muhammad bin Abdul-Allah, Khatib Tabrizi, *Mishkwat al-Masabih*, Baab Min Latahl lah al-Masila (Beirut, Al-Muktab al-Islami, 1985), 163.

محمد بن عبداللہ، خطیب تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، باب من لاتحل لہ المسئلہ (بیروت، المکتب الاسلامی، 1985ء)، 163۔

35. Ibid, Vol.2, P721, Hadith: # 1042.

ایضاً، ج2، صفحہ 721، رقم الحدیث: 1042۔

36. Abu al-Qasim Sulaiman bin Ahmad, Tabarani, *Al-Mu'jam al-Awsat Lil-Tabarani*, Vol. 8 (Cairo, Dar al-Harameen, 1995), 380, Hadith: # 8934.

ابوالقاسم سلیمان بن احمد، طبرانی، المعجم الاوسط للطبرانی، ج8 (قاہرہ، دارالحرمین، 1995ء)، 380، رقم الحدیث:8934۔

37. Khatib Tabrizi, *Mishkwat al-Masabih*, 155.

خطیب تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، 155۔

Islam's Role in Reducing Domestic Violence against Women

Open Access Journal
Qtly. Noor-e-Marfat
eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nooremarfat.com
Note: All Copy Rights are Preserved.

Liaquat Ali
PH.D Scholar; University of Religions and Denominations, Qum.
E-mail: Liaquatali110@gmail.com

Abstract: Violence has become a widespread phenomenon in today's world. Domestic violence against women is its important kind. As women play a central role of in providing comfort to family members, this kind of violence is effecting upon the family system.

Islam has defended the rights of women a lot, and the verses of the Qur'an and the traditions of the ma'soom, peace be upon them, are full of instructions that command men to have the utmost love, affection, and tenderness towards their wives. With a brief overview of domestic violence against women, the causes and factors of violence and the adverse consequences of violence, the research will express the Islamic view on violence against women and the strategies to combat it. Deployment people's mental and spiritual health, religious and moral education, and teaching ways to deal with stress in life are preventive methods of Islam in this case. Also, modification the attitude towards women, correcting the attitude towards beating women, modification the attitude about women's domestic responsibilities, modification the behavior and behavior in front of the spouse are some of the therapeutic solutions of Islam the behavior and behavior in front of the spouse are some of the to deal with domestic violence against women.

Keywords: Domestic Violence against Women, Domestic Violence, Family, Islam.

Introduction

The family is a small but effective and powerful social unit. Family should be a place of peace, so family members should interact with each other in ways that evoke security, satisfaction and health. In this case, the role of a woman as a housewife in comforting family members is a strong, sensitive and undeniable role, and this is not done unless the woman feels safe and lull at home. If the ruling spirit of the society is based on oppression and inequality, the family will also be affected by it. Today, the evidence shows the disruption of family relationships and the resulting violence. Violence in the family is a bitter and disturbing reality that reveals new dimensions every day, and unfortunately, in the 21st century, despite the impressive human progress in various fields, violence in many societies and families, especially in the societies of Pakistan It usually happens in the privacy of the family. Domestic violence usually occurs within the confines of the family, but it affects women's lives everywhere. The statistics of violence are generally high, and it is not only women who are subject to social or family violence, but in particular, many women in the world are beaten, injured and tortured by men every day.

Until a few decades ago, sociologists considered violence in the family to be exceptional and considered it specific to families that have material problems, low culture, or critical situations such as divorce, but the results of research showed that violence occurs among all families and at all economic and social society is going on and the main victims are women in the form of wife abuse and children in the form of child abuse.

Paying attention to the Islamic teachings about the place of a woman in the family and her role as a wife and mother, and the instructions of Islam about respecting the wife and having

good company with her on the one hand, and informing men of the punishment of cruelty to the wife, and training women to manage and manage affairs to create peace. In the family environment and controlling the anger of the spouse, on the other hand, it can reduce the amount of violence against women. This article examines the role of Islam in reducing domestic violence against women. Just as men should be well-behaved in their relationships with their wives, women should also observe good socializing to preserve the family center and honor their spouses. Because the basis of cohabitation is based on the observance of mutual principles and standards.

1. Conceptology

2-1. Importance and Status of the family

There is no doubt about the importance and position of the family among scientists. Also, Islam and religious teachings have clearly expressed the position and importance of the family in their teachings. Family formation has a direct and close relationship with solving family problems and personal disorders of people, and on the other hand, it has a clear link with solving social problems. It is clear that man is a social being. and it was created for social life; Therefore, the institution of the family and the spiritual relationship that governs it should be considered the first bastion under the foundation of human society; but if the relationship between the family members, especially the husband and wife, is not stable, this first stronghold will fall apart and the family will be shaken, and as a result, the community and the society of a country will also be shaken. In other words, family is the most important and valuable gift that God has given us. This is the first lesson in relating to others. Family is a really important word. It means feeling safe, having someone you can count on

and share your problems with. Rather, it means mutual respect and responsibility.

The teachings of Islam have also stated many things about the importance of the family in different aspects of the family. In fact, religious and Quranic teachings consider the formation of a correct family life as the source of peace and security; Where God Almighty says:

> "And of His signs is that He created for you mates from your own selves that you may take comfort in them, and He ordained affection and mercy between you. There are indeed signs in that for a people who reflect". (55:21)

From this verse, it is clear that the foundation of the family is based on love and support. The order to do good to family members and all relatives in order to strengthen the family institution... is one of the important things in the heavenly word that refers to the high position of the holy institution of the family.

Hadiths[1] have also expressed a lot of valuable information about the position and importance of the family; Like the formation of the family as the most important building in the universe, the necessity of a man's generosity in providing for the expenses and sustenance of the family, zeal and moralism, the principles and conditions before and after marriage, all these materials show the importance and position of the family in religious and Islamic teachings.

2-2. Definition of domestic violence

Family violence is increasing in all parts of the world today, and this type of violence occurs in all ages, genders, ethnicities, educational backgrounds, and socioeconomic groups. The United Nations published a statement in 1993 and defined violence against women as follows:

> “Any violent action that leads to physical, mental or sexual harm to women, violates their human rights and restricts their social freedom is considered violence against women”.[2]

One of the good definitions in relation to family violence is:

> "Domestic violence means aggressive and coercive behaviors, including physical, sexual, and verbal abuse, as well as pressure and economic threats that people use against their spouses and partners".[3]

Considering the definitions that were presented, if we want to express family violence according to the purpose of the treatise, we will say: family violence is an act that the husband or other family members commit to his wife in a physical, sexual, emotional or economic way, and in all this Women express their dissatisfaction, and this type of violence is done directly or indirectly depending on the traditions, forces, and attitudes prevailing in life and societies in order to gain power over women.

2. Types of violence against women

3-1.physical violence

Physical violence against women in various ways such as beating, torture, murder, etc . . . is done This type of violence refers to any immoral behavior that starts from hitting the woman's body and sometimes hurts the woman's body until the stage of sexual assault. The cost of physical violence includes broken limbs, lacerations, wounds, cuts, bruises, internal injuries, brain trauma, unwanted damage to body parts, illegal abortions, and death of women due to physical injuries. (Mohbi, 2011, p. 8).

Considering the Islamic culture and the religious beliefs that govern Islamic societies, the phenomenon of wife abuse,

especially the one that causes murder by the husband, is much less common in Islamic society compared to Western societies and Western cultures.

3-2. Sexual Violence:

Sexual violence means any type of violent sexual behavior that is done with intent and intention combined with force and dissatisfaction or reluctance or reluctance or outside of the normal communication between two opposite sexes to threaten and harm sexually and its examples are: Rape, sexual harassment and harassment and physical contact, forced pregnancy, forced to have unnatural sexual relations, forced to have sexual relations during menstruation and illness. Therefore, it has been said in this case: "Sexually violent behavior when it is done with the intention of sexual abuse and threats causes sexual violence". (Mohbi, 2011, P 8).

More physical strength can cause a man's violence against his wife. The male hormone testosterone is an effective factor in the aggressive behavior of men, and the higher the level of testosterone in a person's body, the greater the possibility of aggression. Damage to some areas of the brain or imbalance in the function of hormones can also be a cause of violence. (Salari Far, 2009, P 144).

3-3. Economic Violence:

Another form of domestic violence is economic violence. In fact, economic violence means harsh behavior in matters related to employment, economy, property that puts women under pressure and harassment. Such as non-payment of alimony, miserliness and controlling the property of spouses . . . is. The country of Pakistan, with its cultural stereotypes and patriarchal system, gives men the right to own their women's property. In many cases, sisters are also deprived of inheritance; even they

do not have the right to talk about this divine decree, which is inheritance. One of the researchers says:

> "Economic violence occurs where the man has complete control over all financial resources, which includes controlling other people's (women's) earned money. In other words, its availability and restricting him from participating in decisions about how to spend money and . . . is".[4]

Another researcher says:

"Economic abuse includes actions such as deprivation of funds, denial of financial assistance, deprivation of food and basic needs, and control of access to health care, employment, etc. About 64% of women stated that the husband controls the access to health facilities. 68% of the respondents said that their husbands always try to keep them
dependent on financial matters".[5]

3-4. Psychological Violence:

Psychological violence can be done to any man or woman in the family and includes actions such as humiliation, mockery, insult, cursing, teasing, threats of divorce and so on . . . which causes damage to the feelings and dignity of the person. A person who is a victim of violence needs to keep secrets in order to continue living. In some cases, this leads the violent person to continue to control power and violence. A person who is subjected to violence cannot share his secret with anyone. After a while, such a person considers being abused as normal and accepts this fact and gradually experiences a deep sense of emptiness in his existence. (Arifi, 2002, P 109).

3. Factors of Domestic Violence:

The reasons and motives of violence are different in different people. In delineating the causes of violence against women, it should be noted that there are a set of causes, some of

which are common to all types of violence, and some are specific to violence against women. Paying attention to this point will help discover more real reasons and carry out solutions more carefully.

4-1. Individual and personality Factors:

4-1-1. Physical factors:

More physical strength can cause a man's violence against his wife. The male hormone testosterone is an effective factor in the aggressive behavior of men, and the higher the level of testosterone in a person's body, the greater the possibility of aggression. Damage to some areas of the brain or imbalance in the function of hormones can also be a cause of violence. (Salari Far, 2009, P 144).

4-1-2. Psychological and personality factors

Another individual context of domestic violence is its psychological aspects. The psychological approach looks for the source of domestic violence in personality or psychological disorders. Kaplan considers the characteristics of abusive spouses to include immaturity, indecisiveness, lack of sufficient self-esteem, inability to solve problems, inability in social skills, ineffective coping styles, impulsive and dependent. Mohammad Khani also describes two general factors of personality traits and communication factors in his research. The results of his work show that abusive husbands had significantly more symptoms of obsession, depression, anxiety, hostility, phobic anxiety, paranoid thoughts and psychosis.

4-1-3. Moral weakness:

A man's lack of adherence to morals is the most important cause of family violence from the Islamic point of view. In researches related to violence against women, men's moral problems have been stated as one of the causes of this phenomenon. (Salarifar, 2008, p 12).

4-2. Communicative and interactive causes of violence:

Some of the causes of violence against women in the family are related to the behavior of men and women and their relationships in the family as husband and wife. When the phenomenon of violence is a relational matter, instead of focusing on individuals and examining the individual causes of their behaviors, it is better to examine and revise the interactions between them, including the interaction between husband and wife. Sometimes men's violence is a tool to control women's behavior and create their subordination and dependence. In some cultures, women are irrational and natural beings, and men are encouraged to resort to violence in case of inefficiency of reasoning-rational to educate women. (Salari Far, 2008, p. 17). Many researchers emphasize the role of teaching family models that misbehavior and violence are normal. Men who were abused and scolded by their parents in childhood are more likely to abuse their wives. (Amiri, 2017, p. 19).

4-3. Social and economic causes:

One of the factors affecting men's domestic violence is issues such as the family's economic problems and the type of job, unemployment, and the woman's job. Unemployment and economic problems are an important factor in creating family disputes and resulting violence. Generally, unemployed people are more likely to commit violence against women. Working people have less violent behavior because they have higher self-confidence. A culture's view of family, women, social structure and laws governing the society, economic situation and people's opinions and beliefs are among the things that can help to explain the causes of domestic violence at the macro level. Many researches in Pakistan have proven that unemployment and lack of adequate income are two

important factors in the occurrence of violence in the family and divorce may be the result.[6]

4. Consequences of domestic violence against women:

55% of women who are abused suffer physical injuries. The psychological effects of women's abuse may not be clear, but 85% of abused women experience a variety of negative emotions; Emotions such as anger, fear, distrust, suffering from low self-esteem, depression, anxiety, shame and embarrassment. (Tabatabainejad, 1392, p. 16).

5-1. Physical consequences:

They can include bruises, cuts, broken bones, or injuries to organs and other parts inside of your body. Some physical injuries are difficult or impossible to see without scans, x-rays, or other tests done by a doctor or nurse. Short-term physical effects of sexual violence can include: Vaginal bleeding or pelvic pain.

The main problem in evaluating physical violence and its complications is the delay in the victim's referral. In many cases, the victim endures the effects of violence without going to health centers, treatment, or the police for several reasons, such as maintaining family honor and feeling ashamed of revealing the violence. However, a large part of various physical complications arise as a result of violence, the most important of which are: burns, knife wounds, increase in sexually transmitted diseases, physical and mental injuries of children and their irreparable consequences, nervous headaches and migraines, effects Temporary or permanent injuries or burns, forced abortion by the husband, premature babies, retinal detachment and substance abuse cases. (Noormohammadi, 2010, p. 159).

5-2. Psychological consequences:

Regarding the psychological problems of the victims, one of the researches says:

> "The main psychological problems of surviving women after experiencing family violence are: poor self-concept, low self-esteem, feelings of helplessness, helplessness, worthlessness, hopelessness, sleep problems, apathy, depression and sleep disorders".[7]

Nasruallah and her colleagues say about the negative consequences of intimate partner violence:

> "Depression, complications related to stress, drug use and suicide are the results observed in the field of violence in women's lives. Also, physical abuse has had a significant negative impact on the victim's life, which has had complications such as depression, behavioral disorder, and substance abuse".[8]

One of the authors says about the consequences of family violence against women:

> "Family violence is also associated with psychological effects such as fear, anxiety, fatigue, post-traumatic stress disorder, and sleep and eating disorders, which can negatively affect pregnancy outcomes. Therefore, women who experience violence are more likely to delay prenatal care and experience complications such as miscarriage, placental abruption, intrauterine fetal death, low birth weight, and preterm delivery".[9]

In general, it can be said that the psychological consequences of violence can be low self-confidence, feelings of guilt and error on the part of the victim, psychological depression of the victim and children, the aggravation of insanity in the perpetrator of violence, the loss of love and affection, and the creation of coldness in Relationships and neglect, the emergence of a sense of permanent insecurity and its transfer to children, raising children with a shaky and isolated personality, pointed out.

5-3. Social consequences:

Domestic violence is not an issue whose consequences are limited to the family framework, and it is natural that its negative effects and consequences affect the society as well. The most important social consequences of family violence include abnormality in social relations, promotion of crime and violent social behavior, increase in the number of victims of violence, killing of innocent people, oppression of weak and vulnerable people, increase in the number of homeless and delinquent children, increase Statistics of sexually transmitted diseases and AIDS, sexual abuse, and the weakening and collapse of family members (Ram Panahi, 2004, p. 42).

5. Islamic solutions to eliminate domestic violence against women:

Islam and religious teachings attach great importance to human relations between people. Justice and feeling in the relationships of all people is an easy and important advice of God Almighty. Cruelty, harassment and transgression have also been strictly prohibited, and strict retribution in the worldly and hereafter has been emphasized. Among social institutions, the institution of the family is a sacred, great and desirable building in the sight of God. The relations of family members are the subject of many moral orders in Islamic texts, which shows the special attention of this religion. The interpretations of justice, benevolence and fame have been introduced as basic criteria in the relationships of family members, especially husband and wife. Cruelty, abuse, abuse and coercion are prohibited in these relationships. (Salarifar, 1389, P 244).

6-1. Creating and expanding mental and spiritual health:

Part of violent behavior has psychological roots and appears in people due to stress, anger and mental emotions, so the mental health of people must be ensured. Peace of mind, body

and soul cannot be achieved with material means. The treatment of human mental disorders and mental peace can only be done by having a hidden power and believing in a true source, and in this way, one can overcome the problems of life and remove the anxiety of worries and anxieties. Many people feel anxious and excited during problems and disturbances, and this causes violent behavior. Almighty God says in verse 31 of Surah Hajj:

> "Being true in faith to Allah, and never assigning partners to Him: if anyone assigns partners to Allah, is as if he had fallen from heaven and been snatched up by birds, or the wind had swooped (like a bird on its prey) and thrown him into a far-distant place".

Therefore, people's mental health is not possible except by paying attention to moral virtues, knowledge of God, self-knowledge, control over lust and sensual moods, and guidance in the direction of worldly and hereafter happiness. Of course, the role of counseling centers should not be ignored. Establishing institutions to advise and guide families can be effective in reducing violence in the family. (Ayatollahi, 1381, p. 692).

6-2. Religious and moral education:

One of the causes of violence in a person is non-observance of moral and religious obligations. Belief in God and religion can be a good deterrent for violent behavior. The religious teachings of Islam, such as faith in God, following the Prophet and religious leaders, and belief in life after death, play an important role in establishing favorable and satisfactory relationships in the family. The more strong and deep a person's religious beliefs are, the greater the power to control abnormal behavior such as violence.

Adherence to religious beliefs leads to a calmer and less stressful life for people. Religious beliefs, such as satisfaction with divine predestination and trust in God, prevent bad economic conditions and violence in the family. In addition, in families that believe in religious issues, assaults are significantly reduced. (Mirfardi, 1393, P 179).

6-3.Teaching the principles of proper relationships in the family:

In many cases, the occurrence of disorder and violence in the family is the result of ignorance of the way to establish a good relationship between husband and wife and failure to meet the needs and expectations of the other party. In order to prevent these issues, it is very effective to train the husband and wife in the pre-marriage stages, engagement period and early marriage and even years after marriage. (Salari Far, 2009, p. 248).

"Almighty God says in verse 19 of Surah Nisa: O you who have believed. . . Treat them (women) decently and if you hate them (for some reason) (don't make hasty and emotional decisions), maybe you hate something and God will put a lot of good in it".

The concept of socializing, as it is known, means appropriate behavior from the point of view of reason, Sharia and custom, has a wide range and many examples, as well as the concept of disturbance is very broad and includes any inappropriate behavior that leads to physical or psychological harm, that is, all types of violence. (Bostan, 1396 p. 82). In the religious teachings and hadiths of the innocents, the concept of patience and tolerance is emphasized a lot. If a wife is patient with her husband who is bad-tempered, she will be given the reward of Job.

6-4. Teaching ways to deal with stress in life:

One of the important causes of domestic violence is the tensions that are imposed on the husband and wife inside and outside the

family. Job problems, low income, unemployment, and pressures caused by work issues make men tense. Also, managing the house, taking care of children and physical and mental issues also lead to women's stress. Properly dealing with these tensions helps to calm the husband and wife, strengthen their emotional relations and cooperate more at home. Therefore, it is necessary to teach husband and wife how to deal with these issues. In the cognitive methods of coping, faith in God and dependence on Him, recognition of one's weaknesses and limitations, positivity in the family, a coherent view of life and its issues, and the use of problem solving methods should be the focus of attention. (Salari Far, 2009, p. 259).

7. Treating domestic violence and dealing with it

7-1.Changing the attitude of women

The religion of Islam has orders that honor women in such a way that it considers both sexes to be the highest of creations and has even placed heaven under the feet of mothers and prohibits the harassment of women by their husbands. The Prophet of Islam, may God bless him and grant him peace, said: "Is a woman but a fragrant plant that her husband smells of her?" (Sheikh Sadouq, 1413, 2/113). God has created men and women from the same human nature and placed them on the same level in terms of talents and abilities. Women, like men, have all the tools to reach perfection, such as knowledge, will and authority, the existence of a guide and the possibility of doing righteous deeds, and by taking the path of perfection, they reach the highest levels. All divine religions and prophets have considered a special value and dignity for women and sometimes they consider them more valuable than gold and silver, but a man should not expect his wife to have endurance and the spirit of men and it is necessary in connection with A woman should use behaviors that match her emotional

tenderness; Because the woman has made a firm promise from the man at the beginning of the marriage; A contract that shows respect for the rights of the spouse, including good company. (Salari Far, 2009, p. 141).

7-2. Modification the attitude and behavior in front of the wife (beating the wife)

Islam strongly opposes corporal punishment of women. The Prophet said: "The worst of your men is the one who is slanderous, miserly and foul-mouthed and who beats his wife." In another place, he says: "I have pity on the one who beats his wife, while he deserves to be beaten more" and "Do not beat your wives with a stick, he has revenge." (Shayiri, B. Ta., p. 158).
In another place, the Holy Prophet, may God bless him and grant him peace, says: Every man should slap his wife, God commands the angel of Hellfire to slap him seventy times in the heat of Hellfire. (Nuri, 1408, 250/14).
The Holy Prophet said: "Is it proper for one of you to beat his wife and then embrace her? (Hurri Amuli, 1409, 20/167). Corporal punishment, verbal aggression and physical confrontations are not suitable solutions to solve problems. Hitting a woman in such a way that her skin turns red is very undesirable from the point of view of religion, let alone injure her or turn her body black. It is stated in the Islamic texts that the abuse of the wife will cause the man to enter hell and disgrace him in the Day of Judgment, and if a woman does harm, she will be harmed several times in the hereafter. (Hurri Amuli, 1409, vol. 20, p. 167). A man who is violent in the family should consider the consequences of aggression and expressing violence. Consequences such as loosening of social relations, family breakup and divorce, prison and other legal punishments.

7-3. Modifying attitudes about women's domestic responsibilities

The wife's activities at home have a high value; because it is out of love and without expecting material reward. Do not force women to do housework. Some men think that cooking, cleaning, running the house and taking care of the children are the wife's only duties. For this reason, if they see a shortcoming from him, they become aggressive. Despite having many responsibilities, the Holy Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) would help his wife in everything from preparing food to cleaning the house, washing clothes and other tasks when he came home after taking time off from social affairs.

One day, the Holy Prophet, peace and blessings of God be upon him, went to the house of Hazrat Ali, peace be upon him, and saw that he was cleaning lentils in the house, and Fatimah, peace be upon him, was also sitting on the side. The Prophet said that every man who helps his wife in the housework and does not leave her behind, God will write his name in the book of martyrs, and for every hair on his body, he will write a year's worth of worship if he fasts during his days and spends his nights in prayer. He has kept vigil at night and for every step he takes, the reward of Hajj and Umrah is recorded for him. (Nuri, 1408, 13/48).

8. Suggestions

A: Providing information and counseling in the field of marriage and choosing a spouse with an emphasis on matchmaking. In such a way that in the light of being equal in marriage and being the same in social and ideological dimensions, men and women can continue their married life with mutual understanding and a common worldview.

B: Providing correct religious education in school curriculums, especially in the field of social and family behavior patterns, which is the basis for strengthening religious beliefs and encouraging the observance of religious orders regarding the observance of the inalienable rights of other human beings, especially women, as well as reminding of the system of accountability for behavior in court. Divine justice will be effective in reducing crimes, including violence against women.
C: Trying to institutionalize accepted religious values and norms in society, especially in families by introducing successful models in this field. For example, Friday imams, mosques and cultural centers of mosques can play an important role in reducing violence by using religious speeches and distributing brochures on how to deal with women from the point of view of Islam.
D: The media and educational centers can teach the appropriate behavior towards spouses by making religious films and broadcasting lectures on the role of women in society and the position of women in Islam.
Explaining the harmful consequences of violence in the family and society and promoting religious teachings on the disapproval of violent behavior. (Mirfardi et al., 2014, p. 180).

Conclusion

Today, the phenomenon of violence in the countries of the world, especially in the countries that claim to fight against violence against women, is a growing problem. According to available statistics, Western countries such as America, England and Sweden have high rates of violence against women. Domestic violence is less common in Muslim countries due to Islamic orders. Adherence to religious beliefs can prevent men's violence against women. Aggression and violence occur when the factors that control anger in humans

are weakened or absent. From the findings of the present research, it can be concluded that if religious education in the belief dimension can be effectively institutionalized in people's beliefs and then strengthened by mediators such as religious duties and participation in social relations, it can strengthen social bonds and Understanding the necessity of complying with social norms and laws is like a factor that causes the acquisition of spiritual experiences in life and strengthening people's religiosity. This situation can strengthen people's sense of social solidarity and avoid them from aggression and violent behavior.

****

References

1. Muhammad Baqir, Majlisi, *Baharalanwar*, Vol. 18 (Beirut, Al-Wafa Institute, 1983), 108.
2. United Nations General Assembly, Declaration on the Elimination of Violence Against Women Proclaimed by General Assembly Resolution 48/104 (1993), PP 1 to 4.
3. Linda & Katthryn, *Prenatal Predictors of Intimate Partner Abuse*, United Sated, JOGNN Clinical Research, Vol.33, no. 1, (2004): 54-63.
4. Malik & Naz, *Domestic Violence & Psychological well-being of Survivor women in Punjab*, Pakistan, Medicare, Journal of Psychology & Clinical Psychiatry, Vol.2, (2018): 18-184.
5. Ferdous, Nahida et al, *Exploring the relationship of Domestic violence on Health Seeking behavior and Empowerment of Women Sargodha District in Pakistan*, Epidemiology Biostatistics and Public Health, Vol. 14, No. 1,(2017): 1-8.
6. Malik, & Naz, *Domestic Violence & Psychological well-being of Survivor women in Pakistan in Punjab, Pakistan*: 184-189

7. Ibid.
8. Nasrullah, Muazzam, et al, *Coming, Improving Women's Health in Pakistan, Karachi, World Bank, The Epidemiological Patterns of Honor Killing of Women in Pakistan,* (1999), Vol. 19, No.2, (1999): 193-197.
9. Kirmaliani, Rozina et al, *Domestic Violence Prior to & during Pregnancy among Pakistani women*. Acta Obstetrica Gynecologica, Vol. 87, No. , (2008): 1195-1201.

Editorial

The 60th issue of *Noor-e- Marfat*, a quarterly research journal, is here. The 1st paper of this issue is entitled "Upbringing System of Cultural Evolution of Islamic Society". This article is actually a continuation of the 1st article from the previous issue, which proved that the system of life of a superior Muslim society is formed only on the basis of "Like" and "Dislike" of *Allah Ta'ala*. In the present paper, the author has tried to discover the upbringing system of creating an ideal society and social evolution from the perspective of Islam.

According to him, the upbringing system of Islam, based on the love of Allah Almighty, creates such qualities among individuals that are reflected in the society. The basic values that this system fosters is to "follow the holy prophet (PBUH). The second core value is "benevolence". Benevolence is a high value whose adoption by individuals ultimately form a superior society.

The third fundamental value of the social evolutionary system of Islam is fairness, which is the backbone of every social system. Those inhibited to fairness, make an advanced society. It is hoped that focused study of this paper and applying its contents, may solve our hundreds of social problems and ultimately, our society will become the image of a true Muslim society.

Under the title "Biography: From its Beginning to *Aban bin Uthman* (died: 170 AH)", the 2nd article of this issue is a translation of that part of the book "*Tarikh Siasi-e Islam-Sirat-e Rasul-e-Khuda*" by the renowned researcher and historian, *Ustad Rasool Jafarian* in which the author of the book has presented a very comprehensive research on a specific type of Muslim historiography, i.e. "biography".

This paper highlights the importance of biographies among Muslims in the context of the introduction of these biographers' practices and compilations and gives the best motivation to follow the biographies of religious leaders, especially the Holy Prophet (PBUH).

The 3rd paper of this issue is related to the Islamic system and rules of child upbringing. In fact, from the Islamic point of view, the upbringing of a child starts from the moment of his birth. Therefore, it is the duty of parents in Islam to pave the way for the education of their children from birth. So, under the title "Fostering Aspect of *Aqiqah* - an Exploratory Review", the paper argues that the jurisprudential ruling of *Aqiqah* on childbirth in Islam actually has a fostering aspect.

This is the reason why Aqiqah is "Mustahab" (a humble task) according to famous Shia and Ahl al-Sunnah jurists and "Wajib" (a compulsory task) according to Syed Murtaza and Ibn-e Junaid al-Askafi. In this paper, the writer has described 13 fostering effects of *Aqiqah*. Hopefully, awareness of these effects will give all parents the best motivation to perform *Aqiqah* for their children.

The theme of the 4th paper is "Religious Foundations of Dialogue in the Context of Buddhist Influences in Gilgit". In fact, this paper has been edited in the light of belief in the usefulness and promotion of interfaith. According to the author, although there are no Buddhists in Gilgit-Baltistan, there are traces of Buddhism in the area. So he has initiated interfaith religious dialogue, highlighting the historical and theological status of Buddhism. We are publishing this paper in the hope that such discussions may help promote a civilization of "dialogue" instead of "war" among mankind.

The 5th paper of the current issue titled "Elimination of Poverty in the Light of the Theory of Divine Economics" contends that despite all the human progress in modern times, poverty and destitution have not been eradicated from human society. Unfortunately, economists have not been able to solve this problem. According to the author, the development of the theory of "Divine Economics" in economics can be a harbinger of poverty alleviation.

In fact, in the light of this theory, man is a mixture of two things, body and soul, and man's poverty and wealth are related to both of them. Therefore, no theory of poverty alleviation can be comprehensive unless both the human body and soul are taken into account. Fortunately, divine economics takes both of these into account. Theology has ordered man to exercise moderation, moderation, business and political, social responsibilities in his affairs.

In the same way, it emphasized on the protection of the rights of the poor, their spiritual and material needs. It has also provided all the instructions from the production and acquisition of wealth to the appropriate distribution and spending in the society and has devised a complete system of *Zakat, Sadakat,* charity and *Infaq*. The essayist claims that the practical picture of the theory of divine economy can wipe out the stain of poverty and poverty from the foothills of human society.

This is a fact that unless the bonds of respect and loyalty are established among the members of a family, then the family is deprived of a life of peace and tranquility and as a result, its educational, political, social and spiritual journey also stops. Treating a woman, especially a wife, as a maidservant in the house and abusing her physically and mentally is a very low and depraved act.

Of course, Islam has remedied this evil. In fact, the last paper of this issue is presented in this regard. Under the title, “Islam’s Role in Reducing Domestic Violence against Women” the respected paper writer has discussed the same tragedy and problem of human society and family. It is made clear in this article how Islam condones domestic violence against women. Of course, being a Muslim, studying the contents of this article and following the golden rules of home life as described by Islam can make every family a prosperous family.

We expect that the 60th issue of our quarterly research journal “*Noor-e-Ma'rfat”* containing 6 scholarly, research articles will lead our readers towards new dimensions of knowledge and practice. May Allah reward all the article writers and the team of this journal with the best reward! Ameen!

Dr. Sheikh Muhammad Hasnain Nadir

Editor Quarterly *Noor-e-Ma'rfat*

NATIONAL ADVISORY BOARD

Dr. Humauoon Abbas
Islamic Studies Department, Govt. College University, Faisalabad.
Dr. Hafiz Tahir Islam
Islamic Studies Department, Allama Iqbal Open University, Islamabad.
Dr. Aafia Mehdi
Islamic Studies Department, National University of Modern Languages, Islamabad.
Dr. Syed Qandil Abbas
International Relations Department, Quaid-I-Azam International University, Islamabad.
Dr. Zahid Ali Zahidi
Islamic Studies Department, University of Karachi.
Dr. Muhammad Riaz
Islamic Studies Department, University of Baltistan, Skardu.
Dr. Muhammad Shakir
Psychology & Human Development Department, University of Bahawalpur.
Dr. Muhammad Nadeem
Ph.D. Education, Govt. Sadiq Egerton College Bahawalpur.
Dr. Raziq Hussain
Ph.D International Relations NoorulHuda Markaz-e Tehqeeqat. Islamabad.

INTERNATIONAL ADVISORY BOARD

Dr. Waris Matin Mazaheri.
Islamic Studies Department, Jamia Hamdard, New Delhi, India.
Dr. Syed Zawar Hussain Shah
Ph. D. Quranic Sciences and Hadith, Anjuman-e-Hussani, Oslo, Norway.
Dr. Syed Ammar Yaser Hamadani
Ph.D Quran & Law, Al Mustafa International University Iran.
Dr. Ghulam Raza Javidi
History Department, Katum-un-Nabieen University, kabul, Afghanistan.
Ghulam Jaber Mohammadi
Ph.D. Quran & Educational Sciences, Almustafa International University, Iran.
Dr. Ghulam Hussain Mir
Ph. D. Comparative Hadith Sciences, Almustafa International University, Iran.
Dr. Shahla Bakhtiari
History Department, Alzahra University, Tehran, Iran.
Dr. Faizan Jafar Ali
Urdu & Persian Organization Pura Maroof Mau U.P. India.

Editor-in-Chief & Publisher:
Syed Hasnain Abbas Gardezi
Chairman Noorul Huda Trust, Islamabad.

. MANAGERIAL BOARD

Editor:
Dr. Muhammad Hasnain Nadir
Ph.D. Islamic Theology & Philosophy, NoorulHuda Trust®, Islamabad.
Asst. Editor:
Dr. Nadeem Abbas Baloch
Ph.D. Islamic Studies, National University of Modern Languages, Islamabad.
Asst.Research Affairs:
Dr. Muhammad Nazir Atlasi
Ph.D. Quranic Sciences, Jamia-tu-Raza Registered, Islamabad.
Advisor to Editor:
Dr. Sajid Ali Subhani
Ph.D. Arabic literature, Jamia-tu-Raza Registered, Islamabad.
IT Supervisor:
Dr. Zeeshan Ali
Ph.D. Computer Sciences.
IT Co-ordinator:
Fahad Ubaid
MS(CS).

EDITORIAL BOARD

Dr. Hafiz Muhammad Sajjad
Islamic Studies Department, Allama Iqbal Open University, Islamabad.
Dr. Ayesha Rafique
Islamic Studies Department, Gift University, Gujranwala.
Dr. Abdul Basit Mujahid
History Department, Allama Iqbal Open University, Islamabad.
Dr. Roshan Ali
Islamic Studies Department, IMCB, Islamabad.
Dr. Karam Hussain Wadhoo
Islamic Culture Department, Regional Directorate of Colleges, Larkana.
Dr. Ali Raza Tahir
Philosophy Department, Punjab Univeristy, Lahore.
Dr. Zulfiqar Ali
History, NoorulHuda Markaz-e Tehqeeqat.
Dr. Syed Nisar Hussain Hamdani
Ph.D. Economics, (Divine Economics), Chairman Hadi Institute Muzaffarabad AJK.

eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nmt.org.pk
www.nooremarfat.com
Declaration No: 7334

Quarterly Research Journal

NOOR-E-MARFAT

Vol. 14 Issue: 2 Serial Issue: 60

April to June 2023 (Ramzan Mubarak o Zaiqadah 1444 Hijri)

Applied for Recognition by:
Higher Education Commission, Pakistan

Editor

Dr. Muhammad Hasnain

ORCID ID: https://orcid.org/0000-0002-1002-153X

E-mail: editor.nm@nmt.org.pk+noor.marfat@gmail.com

Publisher: Noor Research and Development (Privte.) Limited.

Indexed in

www.australianislamiclibrary.org/noor-e--marfat.html

https://iri.aiou.edu.pk/indexing/?page_id=37857

https://www.archive.org/details/@noor-e-marfat

https://www.tehqeeqat.org/urdu/journalDetails/132

https://www.ebsco.com/

https://orcid.org/0000-0001-593-4436

Applied for Indexation

https://www.brill.com

https://www.noormag.ir

https://www.almanhal.com

https://www.scienceopen.com

https://www.aiou.academia.edu/NooreMarfat

https://www.scholar.google.com/

Websites

http://nooremarfat.com

https://www .nmt.org.pk/

Composer & Designer: **Babar Abbas**

eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nmt.org.pk
www.nooremarfat.com
Declaration No: 7334

Quarterly Research Journal

NOOR-E-MARFAT

Vol. 14 Issue: 2 Serial Issue: 60 April to June 2023

- Fostering Aspect of *Aqiqah*- An Exploratory Review
- Poverty Eradication in Perspective of Divine Economics
- Islam's Role in Reducing Domestic Violence against Women
- The Educational System of the Cultural Evolution of the Islamic Society
- Biographical Writings: Since its Beginning to Abban bin Uthman (170 AH.)
- Religious Foundations of Dialogue in the Context of Buddhist Influences in Gilgit-Baltistan

Publisher: Noor Research and Development (Private Limited)